نور العین علی

کینسر

دو ایکٹ کا ڈراما

نورالعین علی

نصرت : کیوں اپنی جان ہلکان کرتی ہے پڑھائی لکھائی میں۔ آخر کو تو تجھے بھی چار روپے فی میکسی اور تین روپے فی بیٹی کوٹ کے حساب سے کپڑے ہی سینے ہیں ـــــ اس میں یہ تیرا بوٹنی اور زولوجی پریکٹیکل کیا کام آئے گا۔!

نکی : امّاں ـــــ دیکھیے دیر ہو رہی ہے۔ چھ پچیس کی سپر فاسٹ نہیں ملی تو پریکٹیکل..

نصرت : (اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ ایک ہلکا سا تھپڑ نکی کی پیٹھ پر مارتی ہے۔) بدنصیب جا۔ پریکٹیکل کر ـــــ پڑھائی کر ـــــ امتحان دے، پاس ہو ـــــ اور پھر بیٹھ کر اپنی قسمت کو رو۔

دادی امّاں : (کراہتی ہوئی اُٹھ بیٹھتی ہیں۔) ارے کیا ہنگامہ شروع کر دیا صبح ہی صبح۔ نہ اللہ کا نام نہ رسول کا۔ نہ سلام نہ دُعا۔

نکی : سلام علیکم دادی امّاں۔

عشرت : (موری سے باہر آکر) سلام علیکم دادی امّاں۔

دادی امّاں : وعلیکم السّلام ـــــ جیتی رہو، خوش رہو۔

نصرت : جیتی تو خیر رہیں گی، موت کے انتظار میں۔ مگر خوش تو اس گھر میں کوئی بے حس پتھر ہی رہ سکتا ہے۔

دادی امّاں : اے بی، تمھارے منہ کون لگے گا۔ تمھیں تو کلمہ کلام، درود سلام سے کوئی غرض نہیں۔ صبح ہوئی اور بکواس شروع کر دی۔

(نصرت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتی ہے۔ دادی امّاں اُٹھ کر موری کی طرف جا رہی ہیں۔ عشرت سہارا دیتی ہے۔ پاؤ والا آواز لگاتا ہے۔)

آواز : پاؤ والا ـــــ

عشرت : چھ پاؤ دے دو۔

امّاں : نہیں ـــــ چار ہی لو۔ الماری پر ڈبے میں روپیہ رکھا ہے۔

(عشرت پاؤ لے کر چائے اور پاؤ لا کر نکی کو دیتی ہے۔ فولڈنگ کرسی کھول کر اس پر چائے کی پیالی اور پاؤ کی پلیٹ رکھ دیتی ہے۔ نکی آدھا پاؤ توڑ کر پلیٹ میں رکھ دیتی ہے اور آدھا جلدی جلدی چائے میں ڈبو کر کھا لیتی ہے ـــــ

عشرت دادی امّاں کا بستر ٹھیک کر رہی ہے۔ دادی امّاں موری سے
باہر آتی ہیں۔)

نکّی : (اپنا بیگ اُٹھا کر باہر نکلتے نکلتے۔) امّاں، دادی امّاں، منجھو آپا، چھوٹی آپا، جا رہی ہوں۔
_____ خدا حافظ!

دادی امّاں : سنبھل کے جائیو بیٹی _____ اللہ کے حفظ و امان میں۔

عشرت : دادی امّاں، چائے لاؤں؟

دادی امّاں : نہیں، بی _____ میں تو نماز پڑھ کے ذرا سا لیٹوں گی۔ ساری رات داڑھ کے درد نے سونے نہیں دیا۔ ابھی تک درد ہے۔ نیند نہ ہونے کی وجہ سے بدن الگ ٹوٹ رہا ہے۔ (دادی امّاں یہ جملہ بولتے ہوئے نصرت سے ٹکرا کر گرنے کو ہوتی ہیں۔ نصرت بے ساختہ مار کر اٹھ کے بیٹھ جاتی ہے۔)

نصرت : اللہ دادی امّاں!! میرا ہاتھ کچل کے رکھ دیا آپ نے۔

دادی امّاں : اے تو اُٹھ کے بیٹھو۔ صبح ہو گئی اور تم پاؤں پسارے پڑی ہو۔ آخر کوئی چلے پھرے کیسے؟۔

نصرت : آپ تو بس میرے پیچھے ہی پڑی رہتی ہیں۔

امّاں : شاہانہ، اٹھ جاؤ بیٹی۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ چائے تیار ہے۔

عشرت : (آ کر نصرت کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھتی ہے۔) شانی _____ نجو _____ !
(نصرت سر جھٹک کر اس کا ہاتھ ہٹاتی ہے، پھر چادر اوڑھ کر لیٹ جاتی ہے۔ امّاں دو پیالیوں میں چائے لاتی ہیں۔ عشرت کرسی پر سے پاؤں کی پلیٹ اٹھا کر امّاں کو پاؤں دیتی ہے۔)

امّاں : پاؤں مجھے کیوں دے رہی ہو۔ ایک پاؤں اپنی دادی کے لیے، ایک مُنّن صاحب کے لیے رہنے دو۔ ایک میں سے تم دونوں بہنیں آدھا آدھا لے لینا۔

عشرت : نکّی اپنے حصّے میں سے آدھا رکھ گئی ہے۔

امّاں : (ٹھنڈی سانس بھر کر) تم نے زبردستی اسے کیوں نہیں کھلا دیا۔ اب سارا دن پاؤں کے اس آدھے ٹکڑے پر رہے گی میری معصوم بچّی۔

عشرت : نہیں اماں۔ آج پریکٹیکل ہے نا۔ ساڑھے گیارہ، بارہ تک آجائے گی۔

اماں : پھر بھی ـــــ چار چھ گھنٹے۔ ایک پیالی چائے اور پاؤ کا آدھا ٹکڑا۔

عشرت : آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، اماں۔ عادت پڑ گئی ہے اب تو۔

اماں : ہاں بیٹی! ـــــ ہر بات کی عادت پڑ جاتی ہے۔ مرضیٔ مولا ـــــ منّن صاحب، اٹھو بیٹے۔

(منہاج اُٹھ کر سلام کرتا ہے۔ پھٹا ہوا بنیان اور چارخانے کی لُنگی باندھے ہوئے ہے۔ موری میں سے پانی کا ڈبّا لے کر باہر اجتماعی بیت الخلا کی طرف چلا جاتا ہے۔ عشرت اس کا بستر تہہ کر رہی ہے۔ اماں چولھے کے پاس کام میں لگ گئی ہیں۔ نصرت چادر اوڑھے لیٹی ہے۔)

اندھیرا

دوسرا منظر

(اسی دن ـــــ صبح کے نو بجے

(منہاج پینٹ اور شرٹ پہنے تیار کھڑا ہے۔ الماری کے اوپر رکھے ہوئے آئینے میں دیکھ کر بال بنا رہا ہے۔ دادی اماں کراہتی ہیں۔)

اماں : منّن صاحب، آج بھی تم نے چھٹی نہیں لی؟ امّی صاحب کو ہاسپٹل کب لے جاؤ گے۔ رات تو ان کی داڑھ میں بہت درد تھا۔ تمام رات سو نہیں سکیں۔

منہاج : کل انشاء اللہ ضرور چھٹی لے لوں گا۔ اصل میں کام زیادہ ہے۔ ایک آدمی پہلے ہی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ میں بھی چھٹی مانگوں گا تو سیٹھ ناراض ہوگا۔ ـــــ اور پھر پچھلے دو دن سے کارپوریشن کے آفس میں جانے کے لیے شام کو جلدی نکل جاتا ہوں۔ سیٹھ اس کی اجازت دے دیتا ہے یہی کافی ہے۔

اماں : تو بیٹے، اور بھی تو لوگ ہیں اس چال میں۔ کبھی ان سے جانے کو کہو۔

منہاج : میرا آفس کارپوریشن کے پاس ہے نا اماں، اس لیے میں ہی چلا جاتا ہوں۔ دوسرے لوگوں کو تو آدھے دن کی چھٹی لینی ہوگی۔ جو دُور ہیں ان کا پورے ایک دن کا ناغہ ہوگا۔

امّاں : مگر بیٹے امّی صاحب کو ڈاکٹر کو دکھانا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔
منہاج : بس امّاں آج کا دن اور جانے دیجیے۔ آج سیٹھ سے کل کا کہہ کر چھٹی لے آؤں گا۔
اور امّاں ـــــــ وہ کارپوریشن والے آئیں گے تو انھیں کچھ تو دینا ہوگا۔
امّاں : کتنی رقم چاہیے؟
منہاج : ہر کمرے سے ایک ایک ہزار مانگ رہے ہیں۔
امّاں : ایک ہزار ـــــــ؟
منہاج : (سر جھکا کر) جی ہاں!
(امّاں سر پکڑے بیٹھی ہیں۔ منہاج سر جھکائے کھڑا ہے۔ عشرت آتی ہے۔ کھونٹی پر سے برقعہ اتار کر اوڑھتی ہے۔)
عشرت : اماں، آپ چل رہی ہیں؟
امّاں : بیٹی کیسے چلوں ـــــــ راشن لانے جانا ہے۔ کلثوم بائی سے کہہ دینا ذرا دیر سے آؤں گی۔
عشرت : بہت چلّائے گی!
امّاں : سُن لینا۔
عشرت : اچھا امّاں، میں چلوں۔
امّاں : سُنو ـــــــ کلثوم بائی سے کہنا ہمیں کچھ روپیہ ایڈوانس چاہیے۔
عشرت : امّاں ـــــــ میں ـــــــ کیسے کہوں گی یہ؟
امّاں : اچھا مت کہنا۔ میں کہہ دوں گی۔
عشرت : اچھا سلام علیکم ـــــــ خدا حافظ!
امّاں اور منّن : وعلیکم السّلام۔ خدا حافظ۔
منہاج : وہ لوگ شاید کل آئیں گے۔ کل ہی انھیں پیسہ دینا ہوگا۔
امّاں : اچھا بیٹے، اللہ مالک ہے۔ تم تو جاؤ۔ دیر ہو جائے گی۔
(منہاج سلام کر کے چلا جاتا ہے۔ امّاں اس کے ناشتے کے برتن اُٹھاتے ہوئے نصرت کو آواز دیتی ہیں۔)

شاہانہ ـــــ ! شانی ۔ اُٹھو بیٹی ۔ شاہانہ !
(دادی اماں کروٹ بدل کر اُٹھ بیٹھتی ہیں ۔)

دادی اماں : کیا میاں متن چلے گئے ؟

اماں : جی ہاں، امّی صاحب ۔

دادی اماں : ائے ہے، مجھے آج بھی ڈاکٹر کے نہیں لے گئے ۔

اماں : چھٹی نہیں ملی امّی صاحب ۔ کل انشاء اللہ ضرور لے جائیں گے ۔ اے، شاہانہ بی، اُٹھ جاؤ ـــــ !

دادی اماں : (بے حد غصّے میں) شاہانہ بی ـــــ ! ارے دماغ خراب کر دیا ہے تم نے لونڈیا کا ۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا ۔ غضب خدا کا، آدھا دن چڑھ آیا ہے ـــــ یہ نہیں کہ چُٹیا پکڑ کر کھڑا کر دیں ۔ اب بھی لاڈ ہی کر رہی ہیں ۔ شاہانہ بی ! نصیب بھکارنوں کے اور دماغ شاہانہ ـــــ اچھا خاصا لونڈیا کا نام نصرت فاطمہ رکھا تھا میں نے ۔ اے جو ساری بہنوں کے نام ہیں ویسا ہی اس کا ہو ـــــ لیکن ـ نہیں ! سب سے الگ، نام رکھا ۔ شاہانہ خانم ۔ ننھیال میں پیدا ہوئی تھیں نا !
(نصرت اٹھ کے بیٹھ جاتی ہے ۔ اماں اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی ٹوٹی جھاڑو سُتلی سے باندھ رہی ہیں ۔ نصرت آگے سرک کر اماں سے لپٹ جاتی ہے ۔)

نصرت : (اماں کے کندھے پر سر رکھ کر) اماں ـــــ !

اماں : (بڑے پیار سے اسے اپنے سے الگ کرتی ہیں ۔) اٹھو میری جان، منہ ہاتھ دھو لو ۔

دادی اماں : تم رامپور والوں کی یہی عادتیں مجھے زہر لگیں ہیں ۔ صاحبزادی اُٹھیں، بڑوں کو سلام تک کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور اماں جان لاڈ فرمانے لگیں ۔ یہ نہیں کہ اس سے کہیں فجر کی نماز قضا ہی پڑھ لے ۔

نصرت : نماز پڑھ کر آپ کو کیا ملا جو مجھے نماز پڑھوا رہی ہیں ؟

دادی اماں : بُرا حشر ہوگا کمبخت تیرا ۔ دوزخ کا کندہ بنے گی ۔

نصرت : دوزخ کا کندہ ہی تو ہوں میں ۔ آپ کو خبر نہیں ہوئی دادی اماں ۔ حشر ہو چکا ہے ۔

ہم سب مر چکے ہیں ۔ آپ کو اور ہم سب کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے ۔ اس دوزخ میں پڑے ہم جل رہے ہیں ـــــ کبھی مفلسی کی آگ ـــــ کبھی بھوک کی، کبھی بیماری، لاچاری، بے کسی، بے بسی ـــــ طرح طرح کے عذابوں کا مزہ چکھایا جا رہا ہے ہمیں ـــــ !

دادی اماں : دُور کمبخت ـــ بند کر بکواس ـ اے دلہن چپ کراؤ اسے ۔ صبح ہی صبح لے کے دل دہلا دیا ۔

اماں : (جھاڑو دیتے دیتے ہاتھ روک کر بے حد غصّے سے) شاہانہ !!

(نصرت اماں کی طرف دیکھتی ہے ۔ اماں رونے کو ہو رہی ہیں ؛ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

نصرت : نہیں، اماں ـــ نہیں ـــ ایمان سے اب کچھ نہیں بولوں گی ۔ لائیے یہ جھاڑو مجھے دیجیے اور آپ ادھر اس کرسی پر بیٹھ جائیے ۔

اماں : نہیں ـــ جھاڑو مجھے دو ۔ جا کے منہ ہاتھ دھولو ۔ چائے گرم کر کے خود بھی پیو، امّی صاحب کو بھی دو ۔

دادی اماں : میں ذرا موری میں جاؤں گی ۔

(اماں بڑھ کر انھیں سہارا دیتی ہیں، پھر چولھے کے پاس چلی جاتی ہیں ۔ نصرت جھاڑو اٹھا کر ایک دو ہاتھ جلدی جلدی مارتی ہے پھر چٹائی بچھا کر بیٹھ جاتی ہے ۔ گردن نیہوڑائے ایک طرف دیکھ رہی ہے ۔ سدا آتا ہے ۔ نصرت کے پاس بیٹھ کر بستے میں سے کتاب نکال کر نصرت کی طرف دیکھتا ہے ۔)

سدا : چھوٹی آپا ـــ او چھوٹی آپا ! میں آیا نا ٹیوشن پڑھنے ۔

نصرت : آج رہنے دے، سدا ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔

سدا : کیا ہو گیا تیری طبیعت کو ـــ ؟

نصرت : گنوار کا لٹھ !! کتنی دفعہ بتایا ـــ تیری نہیں، آپ کی ۔

سدا : میرے کو بھول جاتا ہے ـــ ابھی برابر بولے گا ۔

نصرت : اونہہ، سدا ـــ خدا کے لیے چلا جا پھر آنا ـــ

سدا : ابھی نہیں پڑھانے کا ہوں گا تو مت پڑھا ۔ پن میں اِدر یچ بیٹھے گا ـ

نصرت : کیوں بیٹھے گا میرے سر پہ ــــ ؟

سدا : تمھارے ــــ آپ کے سر پر کدر بیٹھے لا ہے۔ میں تو چٹائی پر بیٹھے لا ہے۔

(دادی اماں باہر نکلتی ہیں۔ اماں انھیں سہارا دے کر پلنگ تک لاتی ہیں۔)

دادی اماں : یہ آگیا صبح ہی صبح ــــ !؟ جا، چبوترے پر جاکر بیٹھ۔

سدا : اوٹے پر جائے گا تو ماما دیکھ لے گا۔

دادی اماں : خاک تیرے ماما کے منہ پر۔

اماں : سدا بیٹے، جا ــــ آج تیری چھوٹی آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس لیے دیر سے اٹھی ہے۔ چائے وائے پی کر پھر پڑھائے گی۔

سدا : تو میں ادر بچ بیٹھتا ہے نا۔ باہر بیٹھے گا تو ماما دیکھے گا، پھر ماں کو بولے گا یہ نصرت برو بر ٹیوشن نہیں پڑھاتی، پیسہ نہیں دینے کا۔

دادی اماں : لو، سن لو۔ لوا، اسی لیے کہیں تھے کہ ایرے غیرے نتھو خیرے کو منہ نہ لگایا کرو۔

اماں : ارے امی صاحب، خدا کے لیے آہستہ بولیے۔

دادی اماں : ارے کیا آہستہ بولوں ــــ ہمارے یہاں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ لو بھلا۔ گھروں گھر جھاڑو دینے اور برتن مانجھنے والی نوکرانی شریف زادیوں کے برابر بیٹھنے لگی ــــ اور کیا ہوتا اس کا نتیجہ۔ آج اس نے پیسوں کا طعنہ دیا، کل کو اور کچھ کہے گی۔

اماں : گوداوری نے نہیں کہا امی صاحب۔ اس کے میاں نے کہا ہے۔

دادی اماں : جس نے بھی کہا ــــ ہمیں تو سننا پڑا ــــ ہمارے یہاں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نہ تم بیٹیوں کی کمائی کھانے کے لالچ میں پڑتیں نہ یہ سننا پڑتا۔

نصرت : بیٹیوں کی کمائی نہ ہوتی تو آپ، اماں، بھیا اور یہ سب بیٹیاں یا تو خودکشی کر لیتیں یا بھیک مانگا کرتیں۔

دادی اماں : ارے خاک تمھارے منہ میں۔ میرا کماؤ پوتا سلامت رہے۔ اکیلا سارے خاندان کے لیے کما سکتا ہے۔

نصرت : تو کس نے منع کیا ہے ــــ کیوں نہیں کماتا!

دادی اماں : بہتیرا کما دے ہے۔ تم جو تین تین بلائیں اس کی چھاتی پر بیٹھی کھاؤ ہو۔

نصرت : سب اپنی اپنی محنت کی کھا رہی ہیں۔

دادی اماں : جس گھر میں عورت کی کمائی آوے ہے اس گھر کی برکت اُڑ جاوے ہے ۔

نصرت : (دادی کی نقل اُتار کر) جس گھر میں عورت کی کمائی نا آوے ہے اس گھر کے لوگ بھو کے مرجاویں ہیں ۔

اماں : شاہانہ !

نصرت : جی اماں ـــ لیجیے میں چپ ہوگئی ـــ یہ اٹھ گئی ـــ یہ چلی منہ ہاتھ دھونے ـــ چل رے سدا کتاب نکال ۔ آج کیا پڑھے گا ـــــ میتھس یا انگلش ؟

(دادی اماں کراہتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ جاتی ہیں ۔ پڑوس کے گھر سے ڈھولک بجنے کی آواز آتی ہے ۔)

دادی اماں : ارے یہ ڈھولک کہاں کھنکنے لگی ۔ اے دُلہن، دیکھو تو ـــــــــــــ

(گانے کے بول سنائی دیتے ہیں ۔ عورتیں مل کر گا رہی ہیں ۔)

چھوٹا سا جھنڈولا میری گودیوں میں کھیلے گا
چھجے اوپر کھیلے گا وہ انگنا میں کھیلے گا
وہ دن کون جو دادا کہہ کے بولے گا
دادی اس کی لے بلیاں گودیوں میں کھیلے گا

دادی اماں : (سر ہلا کر کچھ خوشی کچھ افسوس کے لہجے میں) گردھاری کے لڑکا ہوا ہے شاید ۔

(نصرت دوپٹے سے منہ پونچھتی ہوئی موری سے باہر آتی ہے ۔ گردھاری کی ماں ایک تھال میں لڈو لیے آتی ہے ۔)

گردھاری کی ماں رام پیاری } لیجیے ماسی جی، لڈو کھائیے ۔ آپ کے گردھاری کے بیٹا ہوا ہے ۔

دادی اماں : مُبارک ہو ۔ لے نصرت، تھال شکر سے بھر کے دے دے ۔

(نصرت تھالی اماں کو پکڑا دیتی ہے ۔)

اماں : مُبارک ہو بہن ۔ یہ شاردا گا رہی ہے نا ؟ اچھے وقت پر آئی بھتیجے کی خوشی منانے ۔

رام پیاری : ارے کل رات وہ اُتری ہے آکے اور گھنٹے بھر میں بہو کو ہاسپٹل لے جانا پڑا ۔ بس ابھی گردھاری ہاسپٹل سے خوشخبری اور لڈو لیے چلا آرہا ہے ۔ ـــــ اچھا بھابھی، میں

چلوں، تھالی دے دو۔

اماں : تم چلو ۔ میں شاہانہ کے ہاتھ بھیجتی ہوں ابھی تھوڑی دیر میں ۔

رام پیاری: اچھی بات ہے ۔ نمستے ماسی۔

دادی اماں : اے دُلہن، لگے ہاتھوں دے دیتیں اس کی تھالی ۔

اماں : امی صاحب، شکر نہیں ہے گھر میں ۔ جارہی ہوں راشن لانے ۔

(اماں برقعہ اوڑھ کر تھیلیاں اکٹھی کر رہی ہیں ۔)

دادی اماں : اوپر تلے کے تین بیٹے ہو گئے گردھاری کے ——— ایک ہمارے نصیب ہیں ۔ اکلوتا بیٹا تھا ۔ اس کی جان کے لیے ایک کے بعد ایک یہ سات بلائیں نازل ہوئیں ۔ اللہ اللہ کر کے ایک پوتے کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوا ——— ہائے ——— پھر بیٹا ہی چل بسا ۔ میں بدنصیب بیٹھی رہ گئی ۔

نصرت : دادی اماں ، آپ نے ساتِ سات پوتیوں کو زندہ کیوں رہنے دیا ، پُرانے عرب قبیلوں کے سرداروں اور ہمارے ہندوستان کے راجپوت سرداروں کی طرح لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کروا دیتیں یا زہر دے کر مروا دیتیں ۔

دادی اماں : حیادار ہوتیں تو خود مر جاتیں ——— !

(منّی اور واجد آکر دروازے کے پاس ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔)

نصرت : ارے ہاں ، دادی اماں ‘..... وہ ہماری ایک بہن ، سنجھلی آپا کے بعد کی ——— جو تین مہینے کی ہو کر مر گئی تھی ، وہ حیادار تھی اس لیے مری یا آپ نے اسے مروا دیا تھا ——— ؟

دادی اماں : اے خدا غارت کرے تجھے ۔ ارے دُلہن اس کمبخت کے مُنہ میں لگام دو ، ورنہ میں کسی دن اسے مار ڈالوں گی ۔

نصرت : ضرور مار ڈالیے دادی اماں ۔ آپ کے ہاتھوں قتل ہو کر میں خودکشی کے گناہ سے بچ جاؤں گی ۔ دوسرے قیامت کے دن جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ تو میں آپ کی طرف اشارہ کر دوں گی ۔ کم سے کم وہاں تو آپ کو سزا ملے گی ۔ آپ بھی تو .....

(واجد آگے بڑھ کر نصرت کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے ۔ سدا کے دھکا لگتا ہے ۔ وہ زور سے چیختا ہے ۔)

واجد : نجو ـــ !کیا ہوگیا ہے تمھیں ـــــــ !؟ (سدا سے) کون ہو تم' جاؤ اپنے گھر ـــ!

(سدا اپنا بستہ اٹھاکر بھاگ جاتا ہے ۔)

دادی اماں : اے بٹیا، اسے تو ایسے ہی پاگل پن کے دورے پڑا کرتے ہیں ۔ اس کی نانی کا ایک بھائی پاگل تھا ۔ اسی کا خون ہے اس کی رگوں میں ۔

(نصرت واجد کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹاکر چٹائی پر بیٹھ جاتی ہے اور گھٹنوں میں چہرہ چھپالیتی ہے ۔ نصرت بیٹھ جاتی ہے تو اماں جو برقعے کا نقاب ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں، واجد اور بٹن کی طرف پیٹھ کرکے الماری کا سہارا لے کر کھڑی ہو جاتی ہیں ۔ شانوں کی جنبش سے پتہ چلتا ہے کہ سسکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی ہیں ۔ بٹن دادی اماں کے پاس بیٹھ جاتی ہے ۔)

بٹن : السّلام علیکم' نانی اماں ـــ

دادی اماں : (بٹن کی نانی اماں) وعلیکم السّلام بیٹی ۔ اس مٹ گئی کی وجہ سے نہ سلام کا ہوش رہا نہ دُعا کا ۔ واجد کب آئے ؟ میرے چاند ـــــــ آؤ ذرا میں اپنے لال کو پیار تو کرلوں ۔

(واجد پریشان کھڑا کبھی نصرت کو اور اماں کو دیکھ رہا ہے ، کبھی دادی اماں کو ۔)

بٹن : ابھی صبح کی فلائٹ سے آیا ہے ۔ جب سے آیا ہے پیچھے پڑا تھا کہ نانی اماں سے ملنے چلیے ۔

واجد : (بڑھ کر اماں کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہے ۔) السّلام علیکم ممانی جان !

(اماں تھوڑی دیر اسی طرح کھڑی رہتی ہیں ۔ پھر آنکھیں پونچھ کر پلٹتی ہیں ۔ بٹن بھی سلام کرتی ہے ۔ اماں سر کے اشارے سے جواب دے کر نقاب اوڑھ کر باہر جانے لگتی ہیں ۔)

دادی اماں : اے دُلہن ، کہاں چلیں؟ یہ دونوں بچے آئے ہیں ۔ ان کے چائے ناشتے کا انتظام نہیں کروگی ؟

بٹن ۔ واجد : (ایک ساتھ) نہیں نہیں ۔ ہم چائے ناشتے سے فارغ ہوکر آئے ہیں ۔

اماں : میں ابھی آرہی ہوں ۔ (جاتی ہیں)

بٹن : ممانی جان ، سنیے تو ـــ ہم نانی اماں کو لے جانے آئے ہیں ۔

(اماں کوئی جواب نہیں دیتیں ۔ باہر چلی جاتی ہیں ۔)

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

اس ڈرامے میں تمام کردار اور واقعات فرضی ہیں۔

اس ڈرامے کو اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے مصنفہ کی تحریری اجازت لازمی ہے۔

نام کتاب : کینسر

اشاعت : ۱۹۹۵ء

تعداد : ۵۰۰

کتابت : اکبر مرزا آرٹسٹ مالیگاؤں

طباعت : پربھات پرنٹنگ ورکس، گل ٹیکڑی، پونہ

سرِ ورق : انجم

ناشر : نورالعین علی، بمبئی

قیمت : ۳۵ روپے

ملنے کا پتہ : • نورالعین علی

۲۴/ الہلال، ریکلیمیشن، باندرہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۵۰

• سلیقہ کتاب گھر

۱۵۶۰/۱۶۔ جان محمد اسٹریٹ، پونہ ۴۱۱۰۰۱

اس کتاب کی اشاعت میں

فخرالدین علی احمد کمیٹی

کا جزوی مالی تعاون

شامل ہے۔

بٹنّ : عجیب لوگ ہیں بھئی ـــــ کوئی سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ میں تو اسی لیے مہینوں یہاں نہیں آتی۔ نانی اماں کی یاد آتی ہے تو مجبوراً آنا پڑتا ہے۔

واجد : باجی ـــــ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟

(نصرت اٹھ کر باہر چبوترے پر جا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔)

دادی اماں : اے دیکھو، اب جا کے چبوترے پر کھڑی ہو گئی ـــ سر پر آنچل تک نہیں لیا۔

واجد : نانی اماں، خدا کے لیے چپ بھی ہو جائیے۔ آپ بھی تو بس پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔

دادی اماں : اے لو بیٹے، میں نے کیا کہہ دیا جو تم چراغ پا ہو رہے ہو؟

(واجد بھی باہر جا کر نصرت کے پاس چپ چاپ کھڑا ہے۔)

بٹنّ : چلیے نانی اماں میرے ساتھ۔

دادی اماں : اے بیٹی، دُلہن کو تو آجانے دو؛ نہالوں، کپڑے بدل لوں، پھر چلوں گی۔

بٹنّ : کپڑے ساتھ لے لیجیے، وہیں چل کر نہا دھو لیجیے گا۔

دادی اماں : کپڑے میرے صندوق میں ہیں، صندوق پلنگ کے نیچے ہے۔ ذرا نکالنا تو بیٹی۔

بٹنّ : (پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھتی ہے۔) یہاں تو بستر ڈھیر کیے ہوئے ہیں۔

دادی اماں : بستروں کے پیچھے سرکا دیا ہوگا میرا صندوق ـــــ اے وجّو! ذرا آنا تو بیٹے، میرا صندوق نکالنا۔

(واجد بستر ہٹا کر صندوق نکالتا ہے۔ نانی اماں کے کپڑے نکال کر بٹنّ ہاتھ میں پکڑ لیتی ہے۔ دادی اماں برقعہ اوڑھ رہی ہیں۔)

واجد : باجی، آپ نانی اماں کو لے کر چلی جائیے، مجھے ذرا کام ہے، میں پھر آؤں گا۔

بٹنّ : یہ اچانک کون سا کام نکل آیا؟

واجد : ہے کچھ کام۔ چلیے میں آپ کو کار تک چھوڑ آؤں۔ ڈرائیور تو ساتھ ہے پھر آپ کو کیا فکر ـــ؟

(دادی اماں برقعہ اوڑھ رہی ہیں۔ واجد ان کی مدد کرتا ہے پھر اُن کو سہارا دیتا ہے، تینوں باہر چلے جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد نصرت اندر آتی ہے۔ چٹائی پر بیٹھ جاتی ہے ـــــ واجد اندر آ کر اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ دونوں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔)

واجد : (دھیرے سے) نجّو ـــــ (اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرتا ہے۔ نصرت جواب نہیں دیتی) بات نہیں کروگی مجھ سے؟ تین مہینے کے بعد لوٹا ہوں، لندن کے حالات نہیں پوچھوگی؟ اچھا، خیر، جانے دو۔ اپنی سناؤ۔ نانی امّاں سے لڑنے کے علاوہ اور کیا کیا مشاغل ہیں؟ کیسے بسر ہو رہی ہے؟ ـــــــــــ

نصرت : بُرے حال سے یا بھلے حال سے ؛ تمھیں کیا، ہماری بسر ہو گئی

واجد : (مُسکراکر) That's Like Najju! ـ مگر بھئی یہ "تمھیں کیا، ہماری بسر ہو گئی" میں "تمھیں کیا" بالکل غلط کہا تم نے۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ "نہ چھوٹی ہم سے لندن میں بھی نجّو کی خبر گیری۔"

نصرت : آپ اقبال پر نظرِ کرم نہ فرمائیں تو بہتر ہو۔

واجد : چلو نہیں فرمائیں گے۔ ویسے بھی تمھارے ڈاکٹر اقبال کا فلسفہ ہماری موٹی عقل میں نہیں سماتا اور پھر صبح ہی صبح تو ـــــ ارے، پھر مراقبے میں چلی گئیں تم ـــ؟ بھئی، تمھاری خاطر ہم نے نانی امّاں اور مُنّی باجی سے اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ ضروری کام سے جانا ہے اور تم ہو کہ بات تک کرنے کی روادار نہیں ـــــ "ہم فقیروں سے کج ادائی کیا؟" اچّھا چلو، اٹھّو یہاں سے، اوپر بیٹھو۔ (کھڑا ہو کر ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتا ہے۔) فرش بہت ٹھنڈا ہے۔ سردی لگ گئی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔

(نصرت کھڑی ہو جاتی ہے۔ ایک فولڈنگ کرسی نکال کر دجّو کے لیے رکھتی ہے۔ دجّو اس پر بیٹھ جاتا ہے۔ نصرت دادی امّاں کے پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے۔)

واجد : کس سوچ میں ہو، نجّو ـــــ نانی امّاں کی بات کا بُرا نہ مانو۔ اور جو کچھ انھوں نے آج کہا ہے وہ کوئی نئی بات تو نہیں ـــــ پھر تم اتنی اُداس کیوں ہوتی ہو؟

نصرت : میرا بس چلتا، دجّو بھیّا، تو میں پیدا ہی نہ ہوتی۔

واجد : تب تو یہ دنیا بڑی بور اور انتہائی غیر دلچسپ جگہ ہوتی۔

نصرت : (جیسے اس کی بات سُنی ہی نہ ہو۔) میں اکثر سوچتی ہوں کہ پرانے عرب قبائل اور ہندوستان کے راجپوت سردار کتنے رحم دل ہوتے تھے کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ کتنی محبت کرتے تھے بیچارے اپنی بیٹیوں سے ـــ کاش کسی نے مجھ پر بھی ایسا رحم کیا

ہوتا ـــــــ مجھ پر کیا، ہم سب بہنوں پر ـــــــ ہمیں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا ہوتا ـــ وجو بھیا، اللہ کا شکر ہے کہ سنجلی آپا کے بعد کی ایک لڑکی چھوٹی سی ہی مر گئی، اور ندرت ـــــــ (آواز بھرا جاتی ہے) وجو بھیا، اکثر میرے ذہن میں لاوا سا اُبلنے لگتا ہے ـــــــ اور خیال آتا ہے کہ وہ لڑکی اپنی موت مری یا دادی اماں نے اُسے مروا دیا !!

واجد : (غصّے میں کھڑا ہو جاتا ہے) خبردار ـــــــ ایسی ظالمانہ بات سوچو بھی مت۔ تمھیں شرم نہیں آتی ایسا کہتے ہوئے؟ نانی اماں پرانی روایات اور پرانے اعتقادات کے بندھن میں بندھی ہوئی ہیں اس لیے ان کا طرزِ عمل ایسا ہو گیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ تم لوگوں سے محبت نہیں کرتیں ـــــــ بہت محبت بھرا دل ہے ان کا۔

نصرت : جی ہاں ـــــــ محبت کرتی ہیں آپ سے! کیونکہ آپ نواسے ہیں، منّن صاحب سے کیونکہ وہ پوتے ہیں۔ منّن باجی سے کیونکہ وہ اکلوتی نواسی ہیں۔ اب رہیں پوتیاں ـــــــ ایک نہ دو ـــــــ پوری پانچ۔ ان کے لیے دادی اماں کے دل میں محبت کی گنجائش کہاں۔

واجد : اب اس بدگمانی کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔ تم نے اپنی دادی کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

نصرت : سمجھنے کو ہے ہی کیا ـــــــ؟ دادی اماں تو کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہیں۔ کوئی بھی صفحہ دیکھ لیجیے۔ پوتیوں کے لیے نفرت ـــــــ نفرت ـــــــ نفرت ہی لکھا ہے۔

واجد : اور نجو، تم کی جو کتاب ہے اس کے صفحات پر کیا لکھا ہے؟ بدگمانی، غلط فہمی، ہٹ دھرمی، خود کو دُکھ دینا۔ دوسروں کو دُکھ پہنچانا ـــــــ! کسی کو تم سے نفرت نہیں ہے نجو! تم خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر رہی ہو۔

نصرت : شاید ایسا ہی ہے ـــــــ ہم خود ہی ہوئے تباہ، ورنہ
دُنیا کو ہماری کیا پڑی تھی

اچھا، وجو بھیا! جو کتاب لوگوں کے جذبات مجروح کرتی ہو اسے جلا دیا جاتا ہے نا ـــ! میں بھی کسی دن نجو، تم کی کتاب کو جلا ڈالوں گی تاکہ نہ رہے کتاب، نہ کوئی پڑھے اور نہ کسی کو دُکھ پہنچے۔

واجد : پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ منفی سوچ کو ذہن سے کھُرچ کر پھینک دو۔ مثبت انداز میں سوچنا سیکھو۔ تمھارے ڈاکٹر اقبال ہی تو کہتے ہیں: "نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں"

نصرت : نفی اور اثبات پر یاد آیا کہ ـــــــــ (چُپ ہو جاتی ہے۔)

واجد : کیا یاد آیا؟

(نصرت چُپ ہے۔)

واجد : یہ کیا عادت ہے تمھاری ـــــــ بات شروع کرتی ہو اور ادھوری چھوڑ دیتی ہو۔ نجّو ـــــــ! اے باولی لڑکی ـــــــ!!

(کرسی سے اٹھ کر الماری پر سے ایک پیکٹ اُٹھاتا ہے' پھر آکر پلنگ پر نصرت کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ نصرت کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ رومال سے آنسو پونچھتا ہے۔ نصرت جھٹکے سے اس کا ہاتھ الگ کر کے اپنے دوپٹّے سے آنسو پونچھ لیتی ہے۔ واجد پیکٹ اس کی طرف بڑھاتا ہے۔ نصرت چپ چاپ دیکھتی رہتی ہے۔ لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاتی۔)

واجد : لو نجّو ـــــــ تمھارے لیے لندن سے چھوٹا سا تحفہ لایا ہوں۔

(نصرت ہاتھ بڑھا کر پیکٹ لے لیتی ہے۔)

واجد : دیکھوگی نہیں کیا ہے ـــــــ؟

نصرت : (بڑی بے دلی سے پیکٹ کھولتی ہے۔ چہرہ کھل اُٹھتا ہے۔ خوش ہو کر کہتی ہے۔) مولوی عبدالحق کا "انتخابِ میر" ـــــــ اوہ! دجّو بھیّا! بہت بہت شکریہ۔ مگر یہ تو آؤٹ آف پرنٹ تھا!؟

واجد : تھا تو سہی ــــ ہم نے خاص تمھارے لیے ری پرنٹ کروایا ہے۔

(نصرت ہنس پڑتی ہے۔)

واجد : اچھّا، اب باتھ روم میں جاکر منہ دھولو۔

نصرت : (پھر ہنستی ہے۔) باتھ روم ـــــــ! تین فٹ بائے تین فٹ کی یہ بچاری جگہ موری کہلاتی ہے' موری ـــــــ! ویسے آپ نے جو اس کا نام باتھ روم تجویز کیا، اس کے لیے ہماری یہ موری آپ کی شکرگزار ہے۔ مگر شکریے کے ساتھ یہ تجویز رد کی جاتی ہے ــــ ویسے آپ سے پہلے اُردو کے عظیم شاعر اور دانش ور فیض احمد فیضؔ بمبئی تشریف لائے تھے تو اُنھوں نے بھی ہم سے درخواست کی تھی کہ "تم کوئی اچھّا سا رکھ لو' اپنی اس موری کا نام" ـــــــ مگر ہم نے ان کی درخواست بھی رد کر دی۔

(موری کی طرف چلی جاتی ہے۔)

واجد : (زور سے ہنستا ہے) بس ایسی ہی پیاری پیاری پیاری، شگفتہ شگفتہ اور دلچسپ باتیں کرتی رہا کرو۔

(نصرت مُنہ پر پانی کا چھپکا مار کر دوپٹے سے منہ پونچھنا چاہتی ہے کہ واجد اپنا رومال بڑھا دیتا ہے۔)

نصرت : رہنے دیجیے، رومال کیوں خراب کرتے ہیں۔ ہمارا یہ کثیر المقاصد دوپٹہ بڑے کمال کا ہے۔ دِن کو اوڑھ لیا تو دوپٹہ بن گیا۔ رات ہوئی تو مچھروں سے بچنے کے لیے مچھر دانی کی طرح تان لیا۔ سردی لگی تو رضائی کی طرح اوڑھ لیا۔ زندگی ناقابلِ برداشت ہوئی تو ایک دِن اسی دوپٹے سے منہ ڈھک کے ہمیشہ کے لیے سو جائیں گے۔ کسی کے اُٹھائے نہیں اُٹھیں گے۔

واجد : (اُٹھ کر نصرت کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے جھنجھوڑتا ہے۔) پھر فضول باتیں کرنے لگیں ــــ؟ ہمیشہ کے لیے سوئیں تمھارے دشمن۔ تم جیسی زندگی سے بھرپور لڑکی جینے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ بہت دنوں تک جینے کے لیے۔

نصرت : (بہت اُداسی سے) سمجھاؤں تمھیں کیسے یہ نکتہ کہ عزیزو!
زندہ ہوں، مگر جینے کی فرصت نہیں ملتی

واجد : جینے کی فرصت بھی ملے گی ــــ اور بہت ملے گی ــــ بتاؤ وہ بات کیا کہہ رہی تھیں تم ــــ وہ نفی و اثبات والی؟

نصرت : آپ تو بس ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔

واجد : ہُوں ــــ! یاد رکھنا یہ بات۔ ہم پیچھے پڑ گئے تو چھوڑتے نہیں ہیں۔ ہاں تو بتاؤ کیا بات تھی وہ؟

نصرت : ایک بار اسکول میں ہماری ٹیچر جیومیٹری میں مسئلہ اثباتی سمجھا رہی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اسے سمجھنے اور سیکھنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا، تو بولیں...

واجد : ڈانٹا نہیں انھوں نے تمھیں کہ کیا بکواس کر رہی ہو ــــ!؟

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

نصرت : جی نہیں ـــــ میں اپنی سب ٹیچرس کی بڑی فیورٹ اسٹوڈنٹ تھی۔ میرے اوٹ پٹانگ سوالوں کے جواب سب ہی بڑی محبت سے دیتی تھیں۔ اُردو اور انگلش کی ٹیچرس تو مجھے آنا چاہتی تھیں کہ کیا بتاؤں۔ میں انگلش میں تک بندی کرتی تھی اور ـــــ اردو اشعار کی پیروڈی کرنے کا مجھے بڑا شوق تھا۔

واجد : وہ تو تم اب بھی کرتی ہو ـــ!

نصرت : اب ـــ! (چہرے پر پھر اُداسی چھا جاتی ہے۔)

واجد : (جلدی سے) ہاں تو جیومیٹری کی ٹیچر نے مسئلہ انباتی کا کیا حل بتایا؟

نصرت : (مُسکرا کر) وہ کہنے لگیں کہ اگر آگے چل کر تم آرکی ٹیکٹ بنیں تو ان مسئلوں کے حل، اچھے اچھے خوبصورت گھر بنانے میں تمھاری مدد کریں گے۔ بس، میں نے اسی وقت طے کرلیا کہ میں آرکی ٹیکٹ بنوں گی۔ بہت سارے خوبصورت خوبصورت گھر بناؤں گی۔ ساری بمبئی کو بھر دوں گی خوبصورت مکانوں سے ـــ اپنی امّاں کے لیے ـــ اپنی بہنوں کے لیے۔ بھیّا کے لیے بھی ایک مکان بناؤں گی! بالکل الگ ڈھنگ کا' خوبصورت ـــــ ـــ میرے ذہن میں تو اس کا نقشہ آج بھی محفوظ ہے۔

(آنکھیں دُور دیکھنے لگتی ہیں ـــ آواز بھرّا جاتی ہے۔)

واجد : مگر نجمہ ـــــ جب میں انگلینڈ جانے کے لیے پہلی بار بمبئی آیا تو تم گیارہویں میں تھیں اور تم نے ہی مجھے بتایا تھا کہ تم ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں

نصرت : ہاں ـ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ دسویں پاس کرتے ہی پتا چلا کہ ندرت کو کینسر ہوگیا ہے۔ میں اس کے ساتھ کئی بار ہاسپٹل گئی۔ ہاسپٹل میں رہی۔ اس کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ آرکی ٹیکٹ کے بجائے میں ڈاکٹر بنوں گی۔ کینسر اسپیشلسٹ ـ! وجو بھیّا! آپ کبھی کینسر ہاسپٹل گئے ہیں؟

(واجد انکار میں سر ہلاتا ہے۔)

نہیں گئے۔ مگر جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ اور اس میں جلتے ہوئے گناہگاروں کے بارے میں تو آپ نے پڑھا ہوگا ـــ وعظ میں سُنا ہوگا ـــ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جہنّم ـــ اپنی بہن کی آنکھوں میں۔ کینسر ہاسپٹل کے ہر مالیوس

مریض کی آنکھوں میں ـــــ موت کے انتظار میں جینے والی زندگی کی آنکھوں میں۔

واجد : ہر زندگی کو پیدا ہوتے ہی موت کا پروانہ تو مل ہی جاتا ہے۔

نصرت : لیکن یہ تو نہیں بتایا جاتا کہ اب بس دو مہینے کی مہلت اور ہے۔ اب ایک مہینہ رہ گیا ـــــ اب چند دن کی بات ہے!

واجد : کینسر ہاسپٹل کے ڈاکٹر کیا اس قدر پتھر دل، بے حس ہوتے ہیں کہ مریض کو بتا دیتے ہیں ـــــ؟

نصرت : نہیں وجو بھیّا۔ ڈاکٹر بے حس نہیں ہوتے، مریض اس قدر حسّاس ہو جاتے ہیں کہ تیمار داروں کی صورت، چُھپ چُھپ کر رونے والی آنکھوں کی سرخی اور سوجن دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ ـــــ اب عمر کی نقدی ختم ہوئی۔ آخر آخر میں تو میں ندرت سے نظر ملائے بغیر اس کا ہر کام کرتی تھی۔ ڈرتی تھی کہ کہیں وہ میری آنکھوں میں اپنی موت کی پرچھائیں نہ دیکھ لے۔

(رونے لگتی ہے۔ واجد خاموش بیٹھا ہے۔)

واجد : خدا اس کی مغفرت کرے۔ وہ تو معصوم تھی۔ اللہ کے گھر چین سے ہو گی۔

نصرت : کیا پتا ـــــ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے ـــــ!

(کچھ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ سدا آتا ہے۔)

سدا : چھوٹی آپا، تیری ـــــ آپ کی چٹھّی۔

نصرت : (لفافہ اُلٹ پلٹ کر) سنجھلی آپا کا خط ہے۔

(خط کھولنے لگتی ہے۔)

واجد : تمھارے نام ہے؟

نصرت : اماں کے نام ـــــ!

واجد : پھر تم کیوں پڑھ رہی ہو!؟

نصرت : جانِ عالم واجد علی شاہ ـــــ اس بارہ فٹ بائی بارہ فٹ کی کھولی میں ہم چھ افراد اِس طرح ایک دوسرے میں گڈمڈ اور مدغم ہوئے رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو سوچتے

ہوئے بھی سُن سکتے ہیں۔ یہاں کسی کا کوئی راز نہیں ہے۔ کسی کی کوئی PRIVACY نہیں ہے۔ کسی کی کوئی چیز اس کی اپنی نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتی۔ بلند و بالا بلڈنگوں میں بولے جانے والے یہ الفاظ آپ کے پوش علاقے کے پوش فلیٹس کو ہی زیب دیتے ہیں۔ ہماری چال میں آتے وقت انھیں وہیں چھوڑ کر آیا کیجیے۔!

واجد : تم اچھی خاصی میٹھی بولی بولتے بولتے ایک دم پٹڑی بدل کر اتنے تلخ لہجے میں کیوں بولنے لگتی ہو، نجو!؟

نصرت : پٹڑی نہ بدلوں تو ایسا بھیانک ایکسیڈنٹ ہوگا کہ جس میں میرا سارا وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔

واجد : نہیں نجو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ تم ہمیشہ میٹھی میٹھی پیاری پیاری باتیں کرتی رہا کرو، مسکراتی رہا کرو۔ پتا ہے تم مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہو۔!؟

نصرت : (واجد کے اس لہجے سے پریشان سی ہو کر بات ٹالنے کے لیے خط اسے دیتی ہے۔) لیجیے، یہ خط پڑھ کر سُنائیے۔

واجد : نہیں بھئی، مجھے کیوں اس گناہ میں شریک کرتی ہو۔

نصرت : واہ۔! واجد علی شاہ جانِ عالم۔ اسی بل بوتے پر مجھ سے ہمیشہ مسکرانے کو کہہ رہے ہیں؟

(واجد خط پڑھتا ہے۔ پریشان ہو کر نظر اُٹھا کر نصرت کو دیکھتا ہے۔ نصرت اسے دیکھ رہی ہے۔)

نصرت : پڑھیے نا۔ کیا لکھا ہے سنجلی آپا نے؟

واجد : بمبئی آ رہی ہیں۔

نصرت : کب؟

واجد : آج ہی۔ ارے گیارہ بج رہے ہیں۔ منہاج تو ہیں نہیں۔ سنجلی آپا کو ریسیو کرنے مجھے ہی دادر جانا ہوگا۔ ان کی گاڑی تو آ چکی ہوگی۔ بچاری اسٹیشن پر بیٹھی انتظار کر رہی ہوں گی۔

(کھڑا ہو جاتا ہے۔)

نصرت : ٹھہریے، ـــ ٹھہریے، وجّو بھیّا۔ میں ذرا خط تو پڑھ لوں ۔ (خط پڑھتی ہے۔)
ارے!!

(خط ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا ہے۔ گُم سُم بیٹھی رہ جاتی ہے۔ واجد تھوڑی دیر بڑی دردمندی سے دیکھتا ہے۔ جُھک کر خط اُٹھا کر نصرت کے پاس رکھ دیتا ہے۔)

واجد : نجّو، میں اسٹیشن جارہا ہوں۔

نصرت : جائیے ـــ خُدا حافظ ـــ لیکن خدا کے لیے آج کے بعد مجھ سے مُسکرانے کو مت کہیے گا!

(واجد باہر نکل رہا ہے۔ امّاں داخل ہو رہی ہیں۔)

امّاں : وجّو بیٹے، کہاں چلے ـــ چائے وائے پی کہ نہیں ۔!؟

واجد : آکے پی لوں گا ممانی جان ـــ سنجھلی آپا آرہی ہیں۔ انھیں لانے دادر جارہا ہوں۔

امّاں : ارے، کیوں؟ اچانک کیسے آرہی ہے ۔ کیا بات ہے، خیر تو ہے؟

واجد : خط پڑھ لیجیے ۔ خدا حافظ۔

امّاں : سطوت کا خط دو شاہانہ ۔ اور میری عینک تو لاؤ بیٹی۔

نصرت : امّاں عینک تو آپ کل کلثوم بائی کے گھر بھول آئی تھیں ۔ صبح منجھو آپا سے کہا تھا کہ یاد سے لیتی آنا۔!؟

امّاں : ہاں بی، پتھر پڑیں میرے حافظے پر ۔ لو ذرا تم ہی سُنا دو، کیا لکھا ہے میری سنجھلی نے۔

نصرت : اب آ تو رہی ہیں ۔ تھوڑی دیر میں انھیں سے پوچھ لیجیے گا۔

امّاں : شاہانہ!!

نصرت : اچھّا امّاں سُن لیجیے۔ (پڑھتی ہے۔) میری پیاری امّاں ـــ میں آپ کی بدنصیب بیٹی اب ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس آرہی ہوں۔ دونوں بچّیاں بھی میرے ساتھ ہیں۔ آپ کے داماد نے کہہ دیا ہے کہ تیسری بار بھی لڑکی ہوئی تو اپنے منحوس قدم میری دہلیز پر مت رکھنا، اپنی امّاں کے پاس ہی رہنا جن کی چھاؤں تم پر پڑی ہے۔ آپ کے آنچل کی چھاؤں میں تو مجھ کو پناہ مل جائے گی ـــ ہے نا امّاں ـــ؟ پیر کے دن پنجاب میل سے پہنچوں گی۔ منّن صاحب کو دادر بھیج دیجیے گا ـــ آپ کی سطوت

ریاست صاحب کے نام!

تو مرا ذوقِ بیاں دادی و گفتی کہ بگوئے
ہست در سینۂ من آنچہ بکس نتواں گفت

(نفرت غصّے میں خط پھاڑ دیتی ہے۔ پُرزے پُرزے کر کے زمین پر پھینک کر پیروں سے مَسل رہی ہے۔ امّاں تھوڑی دیر اسے دیکھتی ہیں۔ پھر اُٹھ کر برقعہ اتار کر تھیلی میں سے سامان نکال کر جگہ پر رکھنے لگتی ہیں۔)

نفرت : امّاں ــــ!

(امّاں نظریں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتی ہیں مگر کام میں لگی رہتی ہیں۔)

نفرت : امّاں ۔ کچھ بولیے نا ــ کیوں چپ ہیں آپ ؟ کیا گناہ ہے آپ کا ! آپ کے سات بیٹیاں ہوئیں تو اس کی ذمّے دار آپ تو نہیں ہیں ــ ! پھر کیوں سہتی ہیں آپ دادی امّاں کے طعنے ۔ ہمیں خدا نے لڑکی بنا کر دنیا میں بھیجا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے ؟ کیا ایک دادی امّاں کافی نہیں تھیں طعنے دے دے کر ہمارا اور آپ کا کلیجہ چھلنی کرنے کو، جو یہ آپ کا کمبخت داماد بھی وہی بکنے لگا ! ؟ اب بھی آپ چپ رہیں گی ! ؟ کچھ نہیں کہیں گی ! ؟

(غم اور غصّے کی شدت سے رونے لگتی ہے ۔ سدا آ کر کھڑا ہوا ہے۔)

کیوں امّاں ــــ کیوں ؟ ؟

(امّاں نفرت کو پکڑ کر پلنگ پر بٹھاتی ہیں ۔ گلے لگا کر پیار سے کہتی ہیں۔)

امّاں : میں کیا کہہ سکتی ہوں ــ ! ایک تو بیٹیوں کی ماں، اس پر غریب اور بیوہ ــ میری عافیت اسی میں ہے کہ چپ چاپ سب کی سُنتی رہوں۔

(نفرت پر ہسٹریا کا سا دورہ پڑ جاتا ہے ۔ امّاں کے گلے سے الگ ہٹ کر پلنگ پر مُکّے مارنے لگتی ہے ۔ زور زور سے چیختی ہے۔)

نفرت : ہم کیوں سہیں ــ کیوں سہیں سب کے ظلم ــــ کیوں ! کیوں ؟ ؟

(رام پیاری، گوداوری اور ان کے ساتھ اور دو چار عورتیں آ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔)

گوداوری : کیا ہوگیا ؟

رام پیاری : کیا ہوا ؟

اماں : آپ سب لوگ اپنے گھر جائیں ۔ اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔

سدا : میں ابھی جا کے ڈاکٹر کو لاتا ہے۔

امّاں : نہیں بیٹے۔ سدا، جا۔ تو بھی اپنے گھر جا۔

(سدا اسی طرح کھڑا پریشانی سے نصرت کو دیکھ رہا ہے۔)

امّاں : جا، سدا ــــ جا۔

سدا : میں نہیں جائے گا۔ اور سچ بیٹھے گا۔

(سدا زمین پر بیٹھ جاتا ہے اور نصرت کو پکارتا ہے۔)

سدا : چھوٹی آپا ــــ چھوٹی آپا ــــ اے چھوٹی آپا!

(امّاں نصرت کے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہیں۔ نصرت کی سسکیاں رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہیں۔ اس کا سر تکیے پر ٹکا ہوا ہے۔ پاؤں لٹکے ہوئے ہیں۔ سدا اس کے گھٹنوں پر سر ٹیکے رو رہا ہے اور پکار رہا ہے: چھوٹی آپا ــــ چھوٹی آپا ــــ!)

تیسرا سین

(وہی کمرہ)

(سامنے چٹائی پر نصرت اور سدا بیٹھے ہیں۔ نصرت سدا کو پڑھا رہی ہے۔ ذرا پیچھے کو سطوت دوسری چٹائی پر بیٹھی بلاؤز میں ترپائی کر رہی ہے۔ نوزائیدہ لڑکی سو رہی ہے۔ دادی امّاں پلنگ پر لیٹی ہیں۔)

نصرت : دیکھ، یہ MISTAKES دُرست کر کے دوبارہ لکھ کر مجھے دکھا۔

سدا : ابھی لکھے ــــ؟

نصرت : نہیں، کل دکھانا۔ اس وقت وہ پوئم سُنا جو تجھے یاد کر کے اسکول میں رسائٹ کرنی ہے۔

(سدا کتاب نکال کر پڑھتا ہے۔ نصرت اس کا تلفّظ درست کرتی ہے۔ لہجے اور آواز کے اُتار چڑھاؤ پر ٹوکتی ہے۔)

IF I KNEW

If I Knew the box where the smiles were kept
No matter how large the key
Or strong the bolt, I would try so hard,
'Twould open, I know, for me;
Then over the land and sea broadcast
I'd scatter the smiles to play,
For many and many a day.

If I knew a box that was large enough
To hold all the frowns I meet,
I would gather them, every one
From nursery, school, every one
Then, folding and holding, I'd pack them in
And turn the monster key,
And hire a gaint to drop the box
To thedepths of the deep, deep, sea.

(سطوت رسالائی روک کر نظم سُن رہی ہے۔ نفرت سدا کے ہاتھ سے کتاب چھین کر بند کر دیتی ہے۔)

نفرت : IF I KNEW THE BOX

سدا : چھوٹی آپا، اس کا ارتھ بتا۔

نفرت : اس کا ارتھ یہ ہے کہ آج تک نہ تو کسی کو ایسا باکس مِلا جس سے مُسکراہٹیں نکال کر ساری دنیا میں پھیلا دی جائیں اور نہ ایسا باکس مِلا جس میں نفرتیں بند کر کے سمندر میں ڈبو دی جائیں۔

(سطوت آہ بھر کے سینے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ نفرت سدا کو پڑھانے لگتی ہے۔ باہر سڑک پر کسی مرد کے بولنے کی آواز: "جی بس ابھی چلا ہی آرہا ہوں — نہیں، سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی، البتہ ڈی۔ ٹی پرقلیوں نے بہت تنگ کیا" آواز

بلند اور صاف ہے، سدا اور نصرت کی آواز کو داد دیتی ہے۔ سطوت سلائی چھوڑ کر دروازے میں کھڑی ہو جاتی ہے، باہر جھانک کر دیکھتی ہے۔ کوئی شخص نکلا چلا جاتا سطوت پھر آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ بلاؤز ہاتھ میں اُٹھائے سوچ میں گم ہے۔)

نصرت : " پھر کوئی آیا دلِ زار ـــ نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا ـــ کہیں اور چلا جائے گا"

(تھوڑی دیر خاموشی)

سدا : چھوٹی آپا، میرے کو پڑھا!

نصرت : (چونک کر) کیا؟

سدا : ابھی جو تو ـــ آپ بول رہی تھی۔

نصرت : (بے حد چڑ کر) کچھ نہیں بول رہی تھی۔ جا، تیرا آج کا ٹیوشن ختم ہوا۔

(سدا کچھ دیر نا اُمیدی اور غصّے بھری نظروں سے نصرت کو دیکھتا ہے، پھر اپنی کتابیں اٹھا کر چلا جاتا ہے۔)

نصرت : سنجلی آپا ـــ!

سطوت : (سلائی پر سے نظریں ہٹائے بغیر ـــ) ہوں۔

نصرت : آپ ـــ آپ کیوں اس کا انتظار کرتی ہیں ـــ!؟

(سطوت جواب نہیں دیتی۔)

نصرت : کیا واقعی اس دنیا میں محبّت نام کا کوئی جذبہ ہے؟ ہیں سنجلی آپا ـــ؟

سطوت : پتا نہیں۔

نصرت : اگر ہے تو وہ اللہ میاں نے صرف عورت ہی کے دل میں کیوں پیدا کیا؟ کیوں؟ کیوں محبّت کی ماری عورت ہی مصیبتیں پیٹتی ہے۔ میری اماں، ہماری اماں۔ غیور پٹھانوں کی بیٹی، کیوں دادی اماں کے طعنے سہتی ہیں۔

(سطوت مُڑ کر دادی اماں کی طرف دیکھتی ہے۔ وہ بے خبر سو رہی ہیں۔)

اماں کیوں خاموش رہتی ہیں، اسی لیے نا کہ ابا کے نام کو بٹّا نہ لگے۔ مرنے کے بعد بھی ابا ان کی زندگی کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ اِدھر آپ ـــ اِس ٹوٹی ہوئی دہلیز پر بیٹھی

اس کم ظرف، ذلیل، بزدل شخص کا انتظار کرتی رہتی ہیں جس نے آپ کو اور اپنی معصوم بچیوں کو بے سروسامانی کی حالت میں نکال دیا تھا۔ نوزائیدہ بچی کو دیکھنے بھی نہیں آیا ــــ اور شاید اب کبھی نہیں آئے گا۔ لیکن آپ اس کا انتظار کرتی ہیں، کرتی رہتی ہیں۔ کیا ہر محبت کی شادی کا یہی انجام ہوتا ہے؟ ــــ ہیں، سنجھلی آپا!؟

سطوت : پتا نہیں۔

نصرت : ہمارے ابّا اماں کی بھی تو محبت کی شادی تھی۔

سطوت : نجو، بدتمیزی مت کرو۔ بزرگوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔

نصرت : لئے لو۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات ہے؟ دادی اماں ہر آئے گئے کو یہ قصہ سنانے کو تیار رہتی ہیں کہ اماں نے ابا کو اُلّو کا گوشت کیسے کھلایا تھا اور کس طرح ایک پٹھانی نے معصوم سید زادے کو پھانسا تھا۔

سطوت : نجو، چپ رہو! خدا کے لیے ختم کرو یہ قصّہ!

نصرت : ہاں، مجھے بھی محبت کے قصّوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اسی لیے تو میں بس جنوں، بھوتوں، چڑیلوں اور شیطانوں کے قصّے پڑھتی رہتی ہوں۔ شیطان تو میرا پسندیدہ کردار ہے۔!

(دادی اماں کراہ کر کروٹ بدلتی۔ آنکھ کھول کر انھیں دیکھتی ہیں۔)

دادی اماں: اری تو خود کسی شیطان سے کم ہے؟

(ان کی طرف سے منہ موڑ لیتی ہیں۔)

سطوت : (دبی زبان سے) دادی اماں نے ہماری باتیں سن لیں شاید۔

نصرت : (منہ بنا کر لاپرواہی سے کندھے اُچکاتی ہے۔) سنا کریں۔

(باہر سے بٹّن کی آواز: "اب جاؤ، چار بجے کے قریب گاڑی لے آنا۔")

بٹّن : نانی اماں ــــ!

دادی اماں: (اُٹھ بیٹھتی ہیں) ارے، یہ تو میری بٹّن کی آواز ہے۔

بٹّن : سلام علیکم، نانی اماّں ۔

(سطوت کھڑی ہو جاتی ہے، نفرت بیٹھی رہتی ہیں ۔ دونوں سلام کرتی ہیں ۔)

بٹّن : کہو بھئی سطوت، کیسی ہو ؟ کیسی ہے تمھاری بچّی ؟ کتنے دِن کی ہو گئی ؟

(جواب کا انتظار کیے بغیر دادی اماّں کے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے ۔)

بٹّن : نانی اماّں، آپ کیسی ہیں ؟ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی ؟

دادی اماّں : اچھی نا ہے بیٹی ــ ڈاڑھ نکلوادی پھر بھی مسوڑھے میں درد ہووے ہے ۔ میاں مُنّن کو جب فرصت ملے ہے تو ڈاکٹر کے لے جاویں ہیں ۔ مگر وہ میرا لال کیا کرے ۔ اللہ اس کی عمر لگا وے، ہر وقت ماں بہنوں کے لیے اپنی جان مٹّی میں ملاوے ہے ۔

(نفرت باہر چبوترے پر کرسی رکھ کر بیٹھ جاتی ہے اور کلیاتِ اقبال پڑھنے لگتی ہے ۔)

بٹّن : نانی اماّں، قسمیہ آپ بھی حد کرتی ہیں ۔ کتنی بار خوشامد کی ہے میں نے کہ میرے گھر چل کر رہیے ۔ کار ہے، ڈرائیور ہے ــ جب بھی آپ کہیں گی ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا یا گھر پر اچھے سے اچھے اسپیشلسٹ کو بُلا کر دکھا دیں گے ۔

دادی اماّں : نا بی بی، نا، اپنا گھر چھوڑ کر میں کہیں نا جانے کی ۔

بٹّن : یہ ! کال کوٹھری ؟ جس میں ایک کھڑکی تک نہیں ہے ۔ چھ آدمی پہلے ہی تھے، اب یہ سطوت اور ان کی تین بچیاں ۔ اُف ! نانی اماں آپ یہاں کیسے رہتی ہیں ۔ میرا تو تھوڑی دیر میں دَم گُھٹنے لگتا ہے ۔

نفرت : تو پھر اس کال کوٹھری میں قدم رنجہ فرمانے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی آپ نے !

بٹّن : دیکھو نفرت ــ مجھے خبر ہے کہ تم نانی اماّں تک کی شان میں گستاخی کرتی رہتی ہو ۔ مگر میں تمھاری اِس چال کے معیارِ گفتگو کی عادی نہیں ہوں ۔ مہربانی سے مجھ سے اس لہجے میں بات مت کرو ۔

دادی اماّں : تم اس کے مُنہ مت لگو بیٹی ۔ یہ بتاؤ کیسے آئیں اس وقت ۔ اے سطوت، اُٹھو، چائے وائے تو بناؤ ۔

بنّن : نہیں، نہیں رہنے دو ۔ میں ذرا جلدی میں ہوں ۔ یہ کہنے آئی تھی کہ واجد کے لیے ایک لڑکی دیکھی ہے میں نے ۔ بہت اعلیٰ خاندان ہے، بہت پڑھی لکھی لڑکی ہے ۔ امریکہ سے پڑھ کر آئی ہے ۔ آج شام کو وہ لڑکی اور اس کے والدین ہمارے گھر آرہے ہیں ۔ شام کو کار بھیجوں گی، آپ آجائیے گا ۔

دادی اماں : اے یہ کیا ــــ ؟ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا ۔ لڑکی کو لارہے ہیں لڑکے والوں کے گھر ۔ ایسے ویسے خاندان کے ہوں گے ۔

بنّن : کیا پُرانی باتیں لیے بیٹھی ہیں آپ بھی ۔ آج کل اس طرح کی فضولیات میں کوئی یقین نہیں رکھتا، جس کو جیسی سہولت ہوئی ویسے کرلیا ۔ ان لوگوں کو کل صبح کی فلائٹ سے مدراس جانا ہے ۔

دادی اماں : اے مدراسی ہیں ــ ؟ کالی ہوگی لڑکی ــــ !

بنّن : کالی کیوں ہوتی ؟ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے ۔ آپ دیکھتی کی دیکھتی رہ جائیں گی ۔

(نصرت اندر آکر اپنا برقعہ کھونٹی پر سے اُٹھا کر ہاتھ پر ڈالتی ہے اور بیگ لے کر باہر جاتے جاتے کہتی ہے : "سنجھلی آپا ــــ خدا حافظ")

بنّن : یہ اچانک کہاں چل دی ؟ سلام نہ دُعا ۔ عجیب تربیت دی ہے ہماری ممانی نے بھی ۔

دادی اماں : کیا پوچھو ہو بی بی ــ ایسی بے سَری لونڈیا اُٹھائی ہے کہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھے ہی نا ہے ۔ دیکھو، برقعہ تک نہیں اوڑھا اُس نے ۔ نہ جانے کہاں گئی ہے ہُڑدنگی سی ۔

سطوت : دادی اماں، آپ کو پتا ہے نجّو اس وقت پالی ناکہ پر کریم صاحب کے گھر ٹیوشن کے لیے جاتی ہے پھر ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں ؟

دادی اماں : اے بُوا، میں کیا پہرے پر بیٹھی رہوں ہوں کہ سب کے آنے جانے کا حساب رکھوں ۔ مجھے کیا معلوم کہاں جاوے ہے اور کیوں جاوے ہے ۔

سطوت : (کھڑی ہو کر) مجھے بھی ابھی یہ سب بلاؤز لے کر کلثوم بائی کے گھر جانا ہے ۔

دادی اماں : نا بوا، نا ــــ تم اُدھر گئیں اور اِدھر یہ تمھاری چھچھوڑاسی لونڈیا اُٹھ کے رونے لگی تو

میں کہاں اسے سنبھالتی پھروں گی۔

سطوت : ابھی دودھ پی کر سوئی ہے، گھنٹہ بھر سے پہلے نہیں اُٹھے گی۔ فرض کیجیے اُٹھ بھی گئی تو سرہانے بوتل میں دودھ بھر کر رکھ دیا ہے، بس ذرا بوتل مُنہ سے لگا دیجیے گا۔

دادی امّاں : میرے بس کا نا ہے یہ چھیچھالیدر۔ جا رہی ہو تو اسے لے کر جاؤ۔

(سطوت پھر چٹائی پر بیٹھ جاتی ہے۔ خاموش، ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکائے دادی امّاں اور بٹّن کی باتیں سُن رہی ہے۔)

دادی امّاں : ہمارے جیسے نصیب بھی خدا کسی کو نہ دے۔ اکلوتا بیٹا دیا۔ کہنے والے کہیں تھے کہ ایک کے اکیس ہو جاویں ہیں۔ ہوتے ہوں گے نصیب والیوں کے ــــ ہمیں تو اللہ نے پوتا بھی ایک ہی دیا اور لے کے لین لگا دی اِن بلاؤں کی۔ یہی کیا کم تھیں کہ ان کے گھر بھی چار چار بلائیں نازل ہو گئیں۔

بٹّن : چار کہاں نانی امّاں ــــ تین ہی تو ہیں سطوت کی۔

دادی امّاں : لے وہ بڑی جو ہے، عزّت ــــ اُس کی ایک نا ہے؟

بٹّن : (بڑے تفحیک آمیز انداز میں ہنس کر) اوہ گاڈ ــــ بیچاری نانی امّاں!

(سطوت کھڑی ہو جاتی ہے۔ کھونٹی پر سے برقعہ اُتار کر اوڑھتی ہے کہ عشرت آتی ہے۔ برقعہ اُتارتی ہے، سر پر رومال پٹی کی طرح کس کر بندھا ہوا ہے۔)

عشرت : سلام علیکم۔ کب آئیں بٹّن باجی ــــ!

بٹّن : نانی امّاں، یہ عشرت مجھ سے صرف چھ مہینے ہی تو چھوٹی ہے۔ اسے کتنی دفعہ منع کیا کہ مجھے باجی نہ کہا کرے، صرف بٹّن کہے ــــ مگر شاید مجھے باجی کہہ کر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ ابھی اس کی کچھ بھی عمر نہیں ہوئی۔

عشرت : مجھے کچھ بھی ظاہر کرنے کی نہ خواہش ہے نہ ضرورت۔ بچپن کی پڑی ہوئی عادت ہے، پھوپھی جان نے ہی ڈلوائی تھی۔ سطوت تم کہاں جا رہی ہو؟

سطوت : منجھو آپا، آپ ذرا بچّی کا خیال رکھیے گا۔ کلثوم بائی نے کہا تھا کہ شام کے چار بجے سے پہلے پہلے بلاؤ زمل جانے چاہئیں۔

عشرت : اچھا جاؤ۔
سطوت : مگر آپ کے سر میں تو درد ہے۔
عشرت : وہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ (سدا آتا ہے۔)
سدا : منجھو آپا تمھارا چٹھی ہے۔
ٹُمّن : یہ لونڈا کس کا موجود رہتا ہے ہر وقت ؟
دادی اماّں: اِن ماں بیٹیوں کی بس یہی عادت ہے۔ چال کے سارے لوگ ہر وقت گھسے رہتے ہیں۔
عشرت : دادی اماّں آپ کا خط ہے۔
(سطوت باہر چلی جاتی ہے)
دادی اماّں : ٹمّن کو دو ــــ پڑھ کے سُناؤ بیٹی۔
ٹمّن : (خط کھولتی ہے) ارے، یہ تو اُردو میں ہے۔ نانی اماّں مجھے تو اُردو پڑھنی نہیں آتی۔
دادی اماّں : لو عشرت، تم ہی پڑھ کے سُناؤ۔
عشرت : (خط لے کر پڑھتی ہے۔) محترمہ پھوپھی جان مدظلہا ــ تسلیم۔ اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔
دادی اماّں: اے، میری کنیز کا خط ہے۔
عشرت : (پڑھتی ہے) آپ کو یہ سُن کر صدمہ ہوگا کہ میاں لیاقت کی بیوی پچھلے ماہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اناّ للہ و اناّ الیہ راجعون۔ چھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے میاں لیاقت کو مشورہ دیا ہے کہ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے دوسری شادی کرلیں۔ چنانچہ چہلم کے بعد وہ بمبئی آرہے ہیں۔ بھائی معراج کی منجھلی لڑکی عشرت کی ابھی تک کہیں شادی نہیں ہوئی ....
(عشرت خط بستر پر پھینک کر چولھے کی طرف جاکر پردہ کھینچ لیتی ہے۔)
ٹمّن : انھیں کیا ہوگیا ــ ؟
دادی اماّں : اس کی شادی کا ذکر ہے نا۔ شرما رہی ہوگی۔
ٹمّن : (قہقہہ لگا کر) شرما رہی ہیں ــ اس عمر میں ــــ ؟

دادی امّاں : اے بیٹی خط تو پڑھ دو۔ اور پتا نہیں کیا کیا لکھا ہوگا کنیز نے۔ کب آئے گا لیاقت؟
ہائے ہائے، کس سے پڑھواؤں ــــ!

(نکّی آتی ہے۔)

بٹّن : یہ لیجیے ــــ وہ آ گئی خط پڑھنے والی۔ اچھا نانی اماں میں چلوں۔ پانچ بجے تیار رہیے گا
ممانی آنا چاہیں تو انھیں بھی لیتی آئیے گا۔

نکّی : سلام علیکم بٹّن باجی۔

(بٹّن سر کے اشارے سے جواب دے کر چلی جاتی ہے۔)

اندھیرا

چوتھا منظر

(نکّی چٹائی پر بیٹھی پریکٹیکل بک تیار کر رہی ہے۔ دادی اماں کا صندوق ڈیسک کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ منہاج آتا ہے۔ نکّی خوش ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ عشرت چٹائی پر لیٹی ہے۔)

نکّی : سلام علیکم بھیّا۔ اس وقت کیسے آ گئے آپ؟ آپ کے لیے چائے بناؤں؟

منہاج : نہیں۔ رہنے دو۔ منجھو آپا کیوں لیٹی ہیں؟

نکّی : منجھو آپا کے سر میں درد ہے۔

(منہاج منجھو کا سر دبانے لگتا ہے۔)

عشرت : رہنے دو بھیّا ــــ وہاں دادی اماں کے پلنگ پر جا کر بیٹھ جاؤ۔

منہاج : دادی اماں کہاں ہیں؟

عشرت : وجو ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ آج دادی اماں کا ٹیسٹ ہوگا۔ دو دن وہیں بٹّن باجی کے گھر رہیں گی۔

پردہ اُٹھنے سے پہلے

۱۹۸۷ء میں جب میرے ڈرامے "سوچ لیجیے" کو ساہتیہ کلا پریشد دہلی کے کل ہند مقابلے میں پہلا انعام ملا تھا تو مجھے اس ڈرامے کو کتابی شکل میں چھپوانے کی تحریک ملی تھی۔
۱۹۹۲-۹۳ء کے مقابلے میں میرے دوسرے ڈرامے "کینسر" کو بھی پہلا انعام ملا تو ــــ 'مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن'
اور 'کینسر' بھی اب چھپ کر شایع ہو رہا ہے ــــ لیکن یہ نغمہ نہیں، نوحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سب سے زیادہ بے مصرف سمجھی جانے والی مخلوق، یعنی "بیٹی" کی حالتِ زار کا۔

بے طلب دنیا میں آتی ہے۔ ماں باپ کی چھاتی کا بوجھ بن کر زندگی گزارتی ہے۔ اس کی ذرا سی لغزش ناقابلِ معافی جرم، جس سے سارے خاندان کی ناک کٹنے کا خطرہ ــــ اس لیے "جتنی جلدی، جیسے بھی ہو، یہ بوجھ سر سے اُتر جائے تو اچھا"۔ پیدا ہوتے ہی یہ الفاظ کان میں پڑنے لگتے ہیں ــــ پھر پوری زندگی اپنے وجود پر شرمسار، ندامت کی شدت سے مستقل احساسِ کمتری کا شکار۔ محبّت، عزت اور احترام کو اپنا حق نہیں، بلکہ باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کی مہربانی سمجھ کر شکر گزاری سے قبول کرتی ہے۔
اگر کسی گھر میں پہلی بیٹی ہو گئی تو دوسری بار ــــ تیسری بار ــــ بار بار بیٹے کی اُمید میں بیٹیاں پیدا کرنے والے والدین اور خاندان کے بزرگ، ایک ناگوار فرض کی طرح ان بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ جہاں بیٹے بیٹی میں کسی کو ترجیح دینے کا موقع آئے تو لازمی طور پر بیٹا ہی ترجیحی سلوک کا مستحق ہوتا ہے ــــ بیٹے سے تو نسل چلتی ہے! اگر بدقسمتی سے کسی خاندان میں بیٹیاں اور غربت دونوں آجائیں تو ان

منہاج : امّاں کہاں ہیں؟

نکّی : کلثوم بائی کے گھر گئی ہیں پیسے لانے۔ بھیا یہ امیر لوگ اتنے بے رحم کیوں ہوتے ہیں۔؟

منہاج : (بہت تھکے ہوئے انداز میں) کیا ہوا؟

نکّی : اب دیکھیے نا۔ کلثوم بائی کے گھر امّاں اور منجھو آپا دن دن بھر میکسیاں اور پیٹی کوٹ سیتی ہیں۔ ان کی محنت پر اتنا بڑا کاروبار جما لیا اس نے۔ مگر امّاں اور منجھو آپا کی محنت کے پیسے ترسا ترسا کر ستا ستا کر دیتی ہے۔ بہت خراب ہوتے ہیں یہ سیٹھ سٹھانیاں۔

منہاج : کوئی خراب نہیں ہے بی بی، ہماری ہی قسمت خراب ہے۔

(باہر سے آواز آتی ہے: "منہاج صاحب ــ!" منہاج پریشان ہو کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، جواب نہیں دیتا۔ عشرت اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ نکّی اشارے سے پوچھتی ہے: "کیا کرے"ــ منہاج ہاتھ سے "نہیں" کا اشارہ کرتا ہے اور موری میں جا کر پردہ کھینچ لیتا ہے۔ نکّی باہر جاتی ہے۔)

نکّی : کون صاحب ہیں؟

آدمی : میں کارپوریشن سے آیا ہوں۔ منہاج قاضی سے کام تھا۔

نکّی : کیا کام تھا؟

آدمی : انھیں سے کہوں گا۔ وہ آئیں تو اس چال کے آخری کمرے میں بھیج دیجیے۔ میں گھنٹہ بھر یہیں بیٹھوں گا۔

نکّی : جی، اچھا۔ کہہ دوں گی۔

(نکّی اندر آتی ہے۔ منہاج کمرے میں پریشان ٹہل رہا ہے۔ نکّی کھڑی اسے دیکھ رہی ہے۔ امّاں آتی ہیں۔ منہاج بے تابی سے امّاں سے پوچھتا ہے۔)

منہاج : پیسے ملے امّاں؟

امّاں : میرے اور منجھو کے جتنے پیسے اس پر نکلتے تھے بس اتنے ہی دیے کلثوم بائی نے۔

ایڈوانس دینے سے انکار کر دیا۔

منہاج : کُل کتنے ہوں گے ؟

امّاں : یہ ساڑھے تین سَو ہیں۔ گھر میں ڈیڑھ سَو.....

منہاج : پانچ سَو ـــــ صرف پانچ سَو ـــــ وہ تو ایک ہزار لیے بغیر نہیں جائے گا۔

امّاں : شاہانہ بھی بس آتی ہی ہو گی۔ شاید وہ کچھ لیتی آئے۔

منہاج : نہیں، چھوٹی آپا سے مت کہیے۔

امّاں : کیوں بیٹے ـــ! اسے بھی گھر کی اتنی ہی فکر ہے جتنی ہم سب کو ہے۔

منہاج : یہ بات نہیں امّاں ـــ چھوٹی آپا ویسے بھی مجھے ناکارہ اور نالائق سمجھتی ہیں۔ اب میں ایک ہزار روپے تک کا انتظام نہیں کر سکا تو میرے بارے میں ان کی رائے اور خراب ہو جائے گی۔ مہینے کا آخری ہفتہ ہے۔ کسی دوست سے بھی نہیں مانگ سکتا۔ امّاں آپ اجازت دیں تو وجّو بھیّا سے .....

امّاں : نہیں، کبھی نہیں۔ وجّو یا بٹّن سے مانگنے سے اچھا ہے سڑک پر کھڑے ہو کر بھیک مانگ لو۔

منہاج : بٹّن باجی تو خیر بے حد خود غرض اور مغرور ہیں مگر وجّو بھیّا سے آپ کیوں بدگمان ہیں؟ بے حد شریف اور نفیس انسان ہیں وہ۔

امّاں : وجّو کی شرافت اور نفاست سے مجھے انکار نہیں لیکن میں تمھارے ددھیال والوں میں سے کسی کا ذرا سا بھی احسان نہیں لینا چاہتی خواہ وہ وجّو ہی کیوں نہ ہو۔

منہاج : یہ ددھیال ننھیال کے جھگڑے شاید ہماری جان لے کر ہی ختم ہوں گے۔

(عشرت سسکیاں بھرنے لگتی ہے۔ نکّی اس کے پاس بیٹھ کر چپ چاپ اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیتی ہے۔ امّاں ان دونوں کو تھوڑی دیر خاموشی سے دیکھتی ہیں، پھر موری میں جا کر مُنہ ہاتھ دھونے لگتی ہیں۔ سدا آتا ہے۔)

سدا : او منّن بھیا، تمھارے کو بُلائے شیدا نّا کے گھر کو۔

منہاج : آرہا ہوں۔ (سدا کھڑا ہے) تو جا، میں ابھی آتا ہوں۔

سدا : شیدا نّا بولے سُنگات لے کے آنے کا۔

منہاج : اب جاتا ہے یا دوں ایک لافا۔

سدا : اُدر سب تمھارے نام سے بوم مارتا ہے۔ شیوا انّا بولا سب کا پیسہ آئے لاے پھٹ تمھارا رہ گئے لا ہے۔ تمھارے کارن کارپوریشن کا آدمی سب کا اڈّا توڑیں گا۔

منہاج : (بے حد غصّے میں) اچھّا، چل ــــ (دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔)

امّاں : (موری سے باہر آکر) ٹھہرو منّن صاحب۔

(منہاج رُک جاتا ہے۔ امّاں الماری کھول کر ایک پُرانا پرس نکالتی ہیں۔ پرس دیکھ کر ننّی تڑپ کر چٹائی پر سے اُٹھتی ہے۔ امّاں کے ہاتھ سے پرس چھین کر گود میں دبا کر بیٹھ جاتی ہے۔)

ننّی : نہیں امّاں، نہیں۔ اس میں سے نہیں۔

امّاں : (بڑی بے بسی سے اسے دیکھتی ہیں، پھر اس کی گود سے پرس لینے کی کوشش کرتی ہیں۔) دے دے بیٹی ــ دے دے میری جان ــ (اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہیں۔) دے دے میری بچّی۔

(ننّی سیدھی ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔ پرس پر سے ہاتھ اُٹھا کر باہیں عشرت کے گلے میں ڈال کر زور زور سے رونے لگتی ہے۔ منہاج پریشانی سے اور سدا حیرانی سے دیکھ رہے ہیں۔)

منہاج : کیا بات ہے امّاں، کیا ہو گیا ننّی کو؟

امّاں : کچھ نہیں ہوا بیٹے۔ (ننّی کی گود میں سے پرس اُٹھا کر کھولتی ہیں، اس میں سے کچھ روپے نکالتی ہیں، گن کر پانچ سو منہاج کو دیتی ہیں۔) یہ لو ــ ہو گئے نا پورے ایک ہزار؟ دے دو۔ کتّوں کا مُنہ بند کر دو۔

منہاج : مگر امّاں ــــ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ یہ روپے کہاں سے آئے ــ ننّی کیوں رو رہی ہے ــــ!

(باہر سے آواز آتی ہے : "منہاج قاضی ــــ!")

سدا : منّن بھیّا، چلو۔

امّاں : جاؤ بیٹے۔ پہلے پیسے دے آؤ۔ پھر آ کے پوچھ لینا۔ میں سب سمجھا دوں گی۔

(منہاج جاتا ہے۔ اماں چپ چاپ کھڑی سامنے دیکھ رہی ہیں۔
چہرے پر انتہائی کرب کے آثار۔ عشرت اور نکی ایک دوسرے سے
لپٹی بیٹھی ہیں۔ نکی کی سسکیاں رفتہ رفتہ دھیمی ہو رہی ہیں۔)

اندھیرا

پانچواں منظر

(اماں چٹائی پر بیٹھی گیہوں پھٹک رہی ہیں۔ گوداوری آتی ہے۔)

گوداوری : نمسکار، بھابھی۔ آج کپڑا سینے کو نہیں گئی؟

اماں : نمسکار، گوداوری۔ آؤ۔ آج گیہوں چننے ہیں، آٹا پسوانا ہے۔ یہ سب کر کے جاؤں گی۔

گوداوری : امی صاب کا طبیعت اب کیسا ہے؟

اماں : ویسی ہی ہے۔ ڈاکٹر نیند کی دوا دے دیتا ہے۔ جب تک اثر رہتا ہے سوتی رہتی ہیں۔ آنکھ کھلی تو پھر تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔

گوداوری : سب تکدیر کا بات ہے۔ اچھا، یہ لیو۔ یہ پیسہ رکھو۔ ابھی میرا کتا پیسہ ہو گیا؟

اماں : مجھے یاد نہیں۔ ڈائری میں دیکھ کر بتاتی ہوں۔ (پیسے لے کر گنتی ہیں۔)

گوداوری : ڈائری میں کیا دیکھنے کا۔ میں ایسا ہی پوچھی۔ ابھی سات برس سے میں تمارے پاس پیسہ رکھاتی ہے۔ آج کیا نوالائی ہے؟

اماں : نہیں، نہیں۔ میں ایک منٹ میں دیکھ کر بتاتی ہوں۔

(اُٹھ کر الماری کھولتی ہیں۔ ٹانی کا ایک پُرانا ڈبّا نکالتی ہیں، اس میں سے ڈائری نکال کر دیکھتی ہیں۔)

آج کے یہ دو سَو روپے ملا کر کُل ایک ہزار پچاس ہو گئے۔ تیری ساڑی کتنی پھٹ گئی ہے۔

(سدا آتا ہے۔ یہ دونوں باتوں میں مصروف ہیں، اسے نہیں دیکھتیں۔)

تو اپنے لیے ایک ساڑی تو لے لے۔

گوداوری: ارے بھابھی اپنے نصیب میں گھر گھر کا برتن دھونا، پوچا کرنا ہے سو کرتی ہے۔ یہ پیسہ میں سلبھا کے ڈلیوری کے واسطے رکھی ہے۔ تیرے کو تو معلوم ہے گھر میں رکھے گی تو میرا آدمی سب چھین کر دارو پی جائیں گا۔ یہ مہینہ جا کے وہ مہینے میں سلبھا کو لانے کے واسطے جانے کا ہے۔ پھر اس کا بچّے کے واسطے سونے کا انگوٹھی۔ اس کو ساڑی۔ جنوائی کو پینٹ شرٹ۔ (سدا پر نظر پڑتی ہے۔) ارے حرام کھور ــــ کائے کو آیا رے تو؟

سدا: میرے کو بھوک لگی ہے۔ گھر چل۔

گوداوری: بھوک بیک کچھ نہیں لگی۔ میرے کو دیکھنے کو آیا تھا۔ اِدر جو بھی بات تو سُنا تیرے ماما کو بولا تو منہ پھوڑ ڈالے گی تیرا۔

(اسے مارنے کی کوشش کرتی ہے۔ سدا پیچھے سرک جاتا ہے۔)

سدا: (چلّا کر) ہیں کائے کو بولے گا۔ میرے کو کائے کو مارتی۔

دادی امّاں: (آنکھ کھول کر) ارے، کیا شور مچا رکھا ہے۔ (سدا کو دیکھ کر) تو یہاں کیا کر رہا ہے رے؟

سدا: مامی کو بلانے کو آیا۔

دادی امّاں: کِدھر ہے تیری مامی۔ (جُھک کر دیکھتی ہیں۔) کیا ہے گوداوری؟ ــــ کیوں آئی ہے تو؟

گوداوری: ایسا رچ بھابھی کے پاس آئی تھی۔ ابھی جاتی ہے۔ (اُٹھ کر سدا کو ایک چانٹا مارتی ہے) حرام کھور ــــ! چل گھر، تیرے کو بتاتی۔

(سدا روتا ہے۔)

دادی اماں: اے غارت ہو دونوں ۔ (دونوں جاتے ہیں) دُلہن تم سے کتنی بار کہا کہ ان چھوٹے لوگوں کو مُنہ نہ لگایا کرو ۔ مگر تمھاری سمجھ میں بات نہیں آتی ۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا کہ بی بیاں اور نوکرانیاں ایک ساتھ بیٹھیں ۔ دو ٹکے کی اس کی اوقات ۔ گھر گھر برتن مانجھتی پھرے ہے اور تم کو گھُل مِل کر بات کرنے کو یہی ملی؟

(اماں جواب نہیں دیتیں ۔ ڈبّا الماری میں رکھ کر پھر بیٹھ کر گیہوں چننے لگتی ہیں۔)

تمھارا یہ گھُنّا پن مجھے زہر لگے ہے ۔ مُنہ میں گھونگھنیاں بھرے بیٹھی رہو ہو ۔ اَے، میں کیا کہہ رہی ہوں کچھ سُنا بھی؟

اماں : جی امّی صاحب، سب سُن لیا۔

دادی اماں: کیا خاک سُنا ۔ اور ہاں، وہ کنیز کا خط آیا تھا ۔ اس نے عشرت کے لیے لیاقت کا رشتہ دیا ہے ۔ تم نے اس کے خط کا جواب دیا؟

اماں : جی نہیں۔

دادی اماں: کیوں؟

اماں : عشرت کے باپ سے صرف دو سال چھوٹے ہیں لیاقت بھائی۔

دادی اماں: مرد کی عمر نہ دیکھی جاوے ہے ۔ سانٹھا اور پاٹھا ۔ اللہ رکھے کھاتا پیتا تندرست توانا ہے ۔ فینچیوں کا کارخانہ اچھا چل رہا ہے ۔ پانچ کاریگروں کو تنخواہ دیوے ہے ۔ گھر میں دو بھینسیں ہیں ۔

اماں : اور چھ بچے ــــ!

دادی اماں: اَے تو تمھاری ادھیڑ عمر کی بیٹی کے لیے کنوارا بالا تو آنے سے رہا ۔ ساری زندگی کنواری بیٹھے رہے گی اماں کے کولھے سے لگی ۔

اماں : اس کے نصیب میں یہ ہے تو یہی سہی ۔

دادی اماں: ارے بدنصیب بیٹیوں کی محبت میں بیٹے کا نصیب کیوں پھوڑو ہو ۔ جب تک تین تین کنواری بہنیں اس کی چھاتی پر بیٹھی کھاویں ہیں اس وقت تک میرے منّن کا بیاہ

نہ ہووے گا۔ میں اس کا سہرا دیکھنے کی حسرت دل میں لیے مروں گی۔

امّاں : (چھاج پٹخ دیتی ہیں) امّی صاحب، کبھی تو انصاف کی بات کہہ دیا کیجیے۔ میری ہزبکّی صبح سے شام تک کولھو کے بیل کی طرح محنت کرتی ہے، نہ صرف اپنا بوجھ خود اُٹھا رہی ہے بلکہ بھائی کا سہارا بھی بنی ہوئی ہے۔ (رونے لگتی ہیں) آپ کو ذرا بھی ترس نہیں آتا!؟ آپ کا دل رحم اور محبّت سے اتنا خالی کیوں ہے!

دادی امّاں : (بھونچکّی سی رہ جاتی ہیں۔ پھر ذرا سنبھل کر) بُوا، کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ تم بھی نصرت کی طرح مجھی کو الزام دینے لگیں؟ مَیں نے کون سی بُری بات کہہ دی۔ اَے عشرت اپنے گھر کی ہو جاتی تو نصرت کے بارے میں سوچتے۔ نصرت کے لیے دو تین رشتے آئے تو تھے۔ جہیز کے سوال پر چُپ ہو گئے۔ بغیر جہیز لیے کون شادی کرے ہے۔ تم سوچتی رہ جانا۔ نصرت کی عمر بھی نکل جاوے گی۔ اِدھر نکّی شادی کی عمر کو پہنچ رہی ہے۔ لڑکیں تو برسات کی ندیوں کی طرح بڑھیں ہیں اور جیسے برسات ختم ہوتے ہی چڑھی ندّی اُتر جاوے ہے ایسی ہی لڑکی عمر سے اُتر جاوے ہے۔ عشرت تو سیدھی ہے، اس پر کب جوانی آئی کب چپ چاپ رخصت ہو گئی پتا بھی نہیں چلا۔ یہ تمھاری نصرت ـــــ بے لگام گھوڑی کی طرح گُدکڑے لگاتی پھرا کرے ہے، اس سے مجھے ڈر لگے ہے۔ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو میں تو کچھ کھا کے سو رہوں گی۔

امّاں : (آنسو پونچھ کر چھاج پھر اُٹھا لیتی ہیں۔) امّی صاحب، ایسا موقع آنے سے پہلے ہی میں شاہانہ اور نکّی کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے دوں گی۔

دادی امّاں : اَے ہے۔ اب یہ بھی میرے نامۂ اعمال میں لکھ دو۔ بُوا، میں ان کی دشمن تو ہوں نہیں۔ آخر میرے بیٹے کی اولاد ہیں۔ اور میں پوچھوں ہوں آخر لیاقت میں ایسی کیا بُرائی ہے؟

امّاں : بُرائی ہم میں ہے، اُن میں نہیں۔

دادی امّاں : تمھاری اس منطق کا جواب تو میرے پاس نا ہے۔

(تھوڑی دیر دونوں خاموش رہتی ہیں۔)

دادی اماں : اور دیکھو ـــــ کل پرسوں، کسی بھی دن، میاں لیاقت آجائیں گے۔ میں نے مُنّن سے کہہ دیا ہے، وہ اپنے گھر ٹھہرائے گی۔ لیکن ہمیں بھی ایک دو بار کھانے پر تو بلانا ہی ہوگا۔ ابھی جاکر ذرا اچھے چاول دو چار کلو لے آؤ۔ گیہوں بھی اچھی قسم کا پانچ ایک کلو پسوا کر رکھ لو۔ عین وقت پر کہاں دوڑتی پھروگی۔

(اماں خاموشی سے گیہوں چن رہی ہیں۔ دادی اماں لیٹ جاتی ہیں۔)

اے ارحم الراحمین! ہماری مشکلیں آسان فرما۔ اے میرے پاک بے نیاز میرے منّن کا سہرا مجھے دکھا دے۔ اے کریم! اکرم فرما۔ اے رحیم! رحم فرما۔ اے مشکل کش.....

(دادی اماں کی آواز دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ اماں ہاتھ روک کر بڑے درد سے دادی اماں کو دیکھ رہی ہیں۔ روشنی آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے۔)

اندھیرا

چھٹا منظر

(دادی اماں پلنگ پر لیٹی ہیں۔ نیچے چٹائی پر نصرت اور سدا بیٹھے ہیں۔ نصرت سدا کو پڑھا رہی ہے۔)

نصرت : اِس QUESTION کا جواب یہاں تلاش کر کے لکھنا۔ ایک بھی MISTAKE ہوئی تو بہت ماروں گی۔

سدا : (مُسکراکر) ابھی بروبر لکھے گا۔

(نصرت کتاب بند کر کے سدا کی طرف جھک کر دھیرے سے کچھ کہتی ہے۔
سدا ہنس کر اقرار میں سر ہلاتا ہے۔)

دادی اماں: اری، کیا کھسر پھسر کر رہی ہے۔

نصرت: پڑھا رہی ہوں اسے۔

دادی اماں: کان سے منہ لگا کر پڑھایا جاوے ہے؟ (سدا سے) پڑھ چکا تو جاتا کیوں نہیں۔ بیٹھا کیوں ہے۔!

سدا: ابھی چھوٹی آپا میرے کو اردو کا گجل پڑھائے گی۔ پھر میں میرے اسکول کے پروگرام میں گائے گا۔ (مراٹھی بولنے والوں کے لہجے میں گاتا ہے۔)

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے

دادی اماں: جاتا ہی نہیں کمبخت، چیچڑی کی طرح چمٹ جاوے ہے۔ ارے جا، دفعان ہو۔

سدا: دفعان منجے کائے؟ (म्हणजे काय?)

نصرت: منجے کائے کے بچے، جا بھاگ۔ پڑھائی ختم۔

سدا: نئیں بھاگے گا۔ پہلے مجھے دفعان ہو کا ارتھ بتاؤ۔

(دادی اماں چپل اٹھا کر پھینک کر مارتی ہیں۔ سدا ایک طرف کو سرک کر بچ جاتا ہے۔ دروازے میں سے لیاقت داخل ہوتا ہے۔ چپل اس کے پاس گرتی ہے۔)

لیاقت: السلام علیکم پھپھی جان! چپل سے تواضع ہو رہی ہے ہماری!

دادی اماں: ارے کون۔! لیاقت ــــ؟ مجھ کمبخت ماری کو کیا خبر کہ تم آرہے ہو۔ میں نے تو اس منحوس لونڈے کو بھگانے کے لیے چپل پھینکی تھی۔

لیاقت: کون ہے بے لمڈے، تو؟ کیا نام ہے؟

سدا: سدا نند وٹھل کامڑے۔

(نصرت اس کی کتابیں سمیٹ کر اسے پکڑا دیتی ہے اور بڑے پیار سے کہتی ہے۔)

نصرت: جا سدا۔ کل یاد کرا دوں گی غزل۔

دادی اماں : آؤ، بیٹھو۔ کب آئے بمبئی ؟
لیاقت : (دادی اماں کی بات کا جواب دیتے ہوئے نفرت کو کنکھیوں سے دیکھتا رہتا ہے۔) صبح کی گاڑی سے آیا۔ بڑی غلط گاڑی ہے۔ اور کسی گاڑی میں برتھ ملی ہی نہیں۔ اگلے ہفتے تک کسی ٹرین میں جگہ نہیں ہے اس لیے اسی سے آگیا۔ ضروری کام تھا۔ آپا کنیز نے کہا کہ اب جا رہے ہو تو کبھی "مودا" سے ملتا آئیو اور کہیو کہ تم نے تو میرٹھ آنا بالکل چھوڑ ہی دیا۔ اپنے وطن کو کوئی ایسے چھوڑ دیوے ہے ؟ بھابھی کہاں ہیں ــــ ؟

(نفرت پانی پی رہی ہے ـــ اسے اچھو لگ جاتا ہے۔)

یہ عشرت ہے کیا ؟

دادی اماں : نہیں، یہ نفرت ہے۔ دلہن پڑوس میں گئی ہیں۔ نفرت ! جا، اپنی ماں کو بلا لا۔

(نفرت بغیر جواب دیے باہر نکل جاتی ہے۔ دادی اماں پکارتی ہیں۔)

دادی اماں : اری برقعہ تو ڈال لے سر پر۔

(نفرت برقعہ کھونٹی پر سے اتار کر ہاتھ پر ڈال کر باہر نکل جاتی ہے۔)

لیاقت : (آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے کی ہر چیز کو حقارت سے دیکھ رہا ہے۔) تو یہ عشرت نہیں ہے ؟

دادی اماں : نفرت ہے یہ، بنّن کے گھر سے یہاں تک اکیلے آ گئے ؟

لیاقت : نہیں ـــــ میاں واجد چھوڑ گئے اپنی کار میں۔

دادی اماں : تمھاری بیوی کے انتقال کا سن کر بڑا صدمہ ہوا۔

لیاقت : (لاپروائی سے) مرضیِ مولا۔ وہ تو جنّت کو سدھار گئیں۔ اب میں بچّوں کی دیکھ بھال کروں یا کارخانے کو دیکھوں۔ گھر میں بیٹھوں تو کاروبار ٹھپ۔ کاروبار کی فکر کروں تو گھر کیوں جو گا۔

دادی اماں : اچھّا کیا تم نے جو دوسری شادی کا سوچا۔ میری عشرت ایسی سُگھڑ، ایسی نیک ایسی محبّت والی لڑکی ہے کہ تمھارے بچّوں کو سگی ماں کی سی ممتا اور محبّت سے پالے گی۔

کے لیے تو یہ دُنیا ہی جہنّم بن جاتی ہے۔

بیسویں صدی کے اس آخری عشرے میں بھی ایک طرف تو بیٹی کے خلاف یہ تعصب ہے جو کینسر کی طرح ہمارے معاشرے کو کھائے جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کے کینسر ہیں جو ہمارے ملک و قوم کے جسم و روح کو کھوکھلا کیے دے رہے ہیں۔

نا اُمیدی، مایوسی اور قنوطیت کی اس سیاہ تصویر میں اگر کہیں 'کوئی' روشن، چمکدار رنگ ہے تو وہ ان لوگوں کی کوششوں سے ہے جو ان مختلف اقسام کے کینسروں سے اپنے اپنے محاذ پر اپنے اپنے طور پر لڑ رہے ہیں۔ میرا یہ ڈراما اگر ان کی کوششوں میں تھوڑی سی بھی مدد کر سکا تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گی۔

پیشِ تو نہادہ ام دل خویش
شاید کہ تو ایں گرہ کشائی

نورُ العین علی

۱۸ دسمبر ۱۹۹۴ء

لیاقت : اِس کا ــ یہ جو ابھی یہاں تھی ــ اِس کا کہیں رشتہ ہو گیا کیا؟

دادی اماں : نہیں میاں ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ابھی کہاں ۔

لیاقت : گھر میں اور کوئی نہیں آپ کے اور اس کے سوا؟ کیا نام بتایا آپ نے اِس کا؟

دادی اماں : نصرت ۔

لیاقت : ہاں، نصرت ۔ اور منہاج کہاں ہے؟ منہاج کی بھی تو اب شادی کی عمر ہو گئی پھپھی جی ــ !

دادی اماں : ہاں میاں، ہو تو گئی ہے ۔ مگر کیا کریں ۔ تین تین بہنیں کنواری بیٹھی ہیں ۔ کم سے کم ان دو بڑی بہنوں کا کہیں ٹھکانا ہو جاوے تو پھر ــ (ٹھنڈی سانس بھر کے) مجھے تو لگے ہے میاں منّن کا سہرا دیکھنے کی آرزو لیے دنیا سے چلی جاؤں گی ۔

لیاقت : آپا کنیز بھی اس دن کہہ رہی تھیں کہ ہمارے بھائی معراج کی بیوی نے لڑکیوں کو کولھے سے لگا کے بٹھا رکھا ہے ۔ شادی ہی نہیں کرتیں ۔

دادی اماں : میاں، کہنے والے کی زبان کون پکڑ سکے ہے ۔ کہہ لو جو جی میں آوے ۔

(اماں اور عشرت برقعہ اوڑھے ہوئے، نصرت برقعہ اسی طرح بازو پر ڈالے، ہاتھ میں لوکی بھنڈی کی تھیلیوں میں کچھ سامان لیے آتی ہے ۔ لیاقت کھڑا ہو کر اماں کو سلام کرتا ہے ۔ عشرت برقعہ اُتار کر کھونٹی پر ٹانگ رہی ہے ۔ لیاقت ایک نظر اس پر ڈال کر پھر نصرت کو دیکھنے لگتا ہے ۔ عشرت اور نصرت چولھے کے پاس جا کر پردہ کھینچ لیتی ہیں ۔ اماں آ کر پلنگ کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتی ہیں ۔)

اماں : کیسے ہیں بھائی لیاقت آپ؟ آپا کنیز تو اچھی ہیں؟

لیاقت : سب اچھے ہیں ۔ آپ لوگوں نے تو میرٹھ آنا ہی چھوڑ دیا ۔ بھائی معراج تھے تو...

(دروازے میں دھونڈی با، ہاتھ جوڑے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔)

لیاقت : ارے، یہ کون آ گیا؟

اماں : اس وقت جا دھونڈی با، پھر آنا ۔

(دھونڈی باکھڑا ہے۔ نفرت پردے کے پیچھے سے نکل کر آتی ہے۔)

نفرت : کائے رے دھونڈی با، کائے پاہجے؟

कायरे धोडीबा ! काय पाहिजे ?

دھونڈی با : بھاکر...... भाकर

نفرت : بھاکر کُٹھے آہے رے...... भाकर कुठे आहिरे

(دھونڈی با جانے لگتا ہے تو پکارتی ہے۔)

تھامب ــ تھامب...... थांब, थांब !

لیاقت : ہیں! ؟ یہ کون سی جناتی زبان بولنے لگی؟

(نفرت پاؤ لاکر دھونڈی با کو دیتی ہے۔ وہ چلا جاتا ہے۔)

دادی اماں : اسے دن بھر بس یہی کام ہے۔ باہر چبوترے پر کھڑی ہر آئے گئے سے اسی کی زبان میں باتیں کرے ہے۔

لیاقت : یہ تو بڑی بُری عادت ہے۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔

(نفرت رُک کر کچھ کہنا چاہتی ہے، اماں سمجھ جاتی ہیں۔ آنکھ سے منع کرتی ہیں۔)

اماں : شاہانہ، جاؤ۔ عشرت کا ہاتھ بٹاؤ۔

(نفرت اماں کی طرف دیکھ کر پل بھر کو رکتی ہے، پھر پردے کے پیچھے چلی جاتی ہے۔)

لیاقت : ہیں، یہ کیا؟ ابھی تو پھپھی بتا رہی تھیں کہ اس کا نام نفرت ہے اور اب آپ کہہ رہی ہیں شاہانہ!

دادی اماں : صاحبزادی رام پور میں پیدا ہوئی تھیں۔ ننھیال والوں کے چو نچلے ہیں۔ شاہانہ خانم نام رکھ دیا۔ لو بھلا کوئی پوچھے قاضی سیّد معراج الدین کی بیٹی خانم کیسے ہوگئی؟ اچھی خاصی سال بھر کی ہوگئی تھی جب اسے لے کر دلہن میرٹھ آئیں تب میں نے اس کا نام بدلا اور نفرت فاطمہ رکھا۔ مگر یہ ابھی تک شاہانہ ہی پکاریں ہیں۔

(عشرت ناشتے کی پلیٹیں لاکر پلنگ پر دادی امّاں کے سامنے دسترخوان بچھاکر رکھ دیتی ہے اور واپس چلی جاتی ہے۔ نصرت پانی کے گلاس لاکر الماری پر رکھ دیتی ہے۔)

لیاقت : (مسکراکر نصرت کو مخاطب کرتا ہے۔) آئیے شاہانہ خانم عرف نصرت فاطمہ۔ ناشتے میں شریک ہوئیے۔

نصرت : شکریہ ــــ آپ لیجیے۔

امّاں : (سموسوں کی پلیٹ لیاقت کی طرف بڑھاکر) لیجیے بھائی لیاقت۔ امّی صاحب آپ بھی لیجیے۔

دادی امّاں : پورا نہ لوں گی میں۔ تھوڑا سا توڑ کر دے دو۔

لیاقت : آلو پیٹ میں گیس پیدا کرتے ہیں۔ (بڑا سا ٹکڑا منہ میں بھرکر) کیا بھاؤ ہیں آلو کے سموسے یہاں؟

دادی امّاں : مجھے کیا پتا۔ اے دُلہن بتاؤ ــــ!

امّاں : دو روپے کا ایک ہے۔

لیاقت : تو یہ چھ سموسے چھ دونی بارہ روپے کے ہوئے۔ گویا بارہ روپے دے کر پیٹ میں گیس بھروالی۔

(اپنے لطیفے پر خود ہی زور سے قہقہہ لگاتا ہے۔)

امّی : کیلا لیجیے۔

لیاقت : کیلا۔ سردی میں؟ شام کے وقت ــــ نزلہ ہوجائے گا مجھے۔ پھپھی جی آپ بھی مت کھائیے۔

امّاں : اچھا تو یہ کھائیے۔ یہ بمبئی کی خاص چیز ہے؛ بھیل پوری۔

لیاقت : پہلے بھی کئی بار کھا چکا ہوں۔ اس میں مرچیں بہت ڈال دیتے ہیں۔ مرچیں زیادہ کھاؤں تو مجھے دست آنے لگتے ہیں۔

نصرت : چائے سے کیا نقصانات ہوتے ہیں اگر وہ بھی بتا دیں آپ، تو ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔

لیاقت : ہم تو گھر کی بھینسوں کا اصلی دودھ پیتے ہیں۔ ایک بھینس روزانہ آٹھ لیٹر دودھ دیتی ہے۔ بارہ روپے لیٹر کے حساب سے بارہ آٹھے چھیانوے روپے اور دوسری بھینس سات لیٹر دودھ دیتی ہے۔ بارہ تے چوراسی روپے روز۔ چھیانوے اور چوراسی کو جوڑیے۔ کتنے ہوئے شاہانہ خانم عرف نصرت فاطمہ!؟

نصرت : جی، مجھے حساب نہیں آتا۔

لیاقت : ایک سو اسّی روپے روز۔ (ہیں، ہیں، ہیں کر کے ہنستا ہے۔ عشرت چائے لیے آرہا ہے۔) چائے تو وہ پیے جسے دودھ نصیب نہ ہو۔

امّاں : لاؤ بی بی، مجھے دے دو ایک پیالی۔ امّی صاحب آپ پئیں گی؟

دادی امّاں: ہاں جی، میں تو پیوں گی۔ اے لیاقت پی لو ایک پیالی۔

لیاقت : چائے مجھے خشکی کرتی ہے۔ دودھ ہو تو لاؤ۔

(عشرت پر اُچٹتی ہوئی نظر ڈال کر پھر نصرت کو دیکھنے لگتا ہے۔ عشرت اور نصرت پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں۔ نکّی آتی ہے۔)

نکّی : السّلام علیکم۔

لیاقت : یہ کون ہے؟

امّاں : یہ میری چھوٹی بیٹی ہے، نگہت۔

لیاقت : کہاں سے آرہی ہے اس وقت؟

امّاں : کالج گئی تھی۔ بارھویں کا امتحان دے گی اس سال۔

لیاقت : لڑکیوں کو اتنا پڑھانے کی کیا ضرورت؟ پھپھی جی آپ کے گھر میں اور کوئی کمرہ نہیں ہے؟

دادی امّاں: نہیں میاں ــــ بس یہی ایک ہے۔ کیوں؟ کیا کام ہے؟

لیاقت : اس کمرے میں سب کے سامنے کام کی باتیں کیسی کی جائیں ــــ!

(نکّی حیران کھڑی ہے۔ پھر اپنا بیگ الماری پر رکھ کر موری میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگتی ہے۔ لیاقت آگے کو جھک کر دادی امّاں سے کچھ کہتا ہے۔ دادی امّاں اشارے سے امّاں کو قریب

بلا کر ان سے دھیرے سے کچھ کہتی ہیں۔ اماں بے حد غصّے
میں انکار میں سر ہلا رہی ہیں۔ دادی اماں سمجھا رہی ہیں۔
لیاقت پردے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دھیرے دھیرے
روشنی کم ہو رہی ہے۔)

پردہ گرتا ہے

دوسرا ایکٹ

پہلا منظر

(نکّی پڑھ رہی ہے۔ نصرت باہر سے آتی ہے۔ برقعہ ہاتھ پر پڑا ہوا ہے۔)

نصرت : نکّی آج سے تو تمھیں کوچنگ کلاس میں جانا تھا۔ گئیں نہیں ۔۔۔!

نکّی : (کتاب پر سے نظر اُٹھائے بغیر) جی نہیں۔

نصرت : کیوں؟ ارے بھئی امتحان میں دو ہی مہینے تو رہ گئے ہیں۔

(نکّی جواب نہیں دیتی۔ سامنے کو اور جھک جاتی ہے۔ نصرت پاس آ کر اس
کا چہرہ اوپر اُٹھاتی ہے۔ نکّی رو رہی ہے۔)

نصرت : کیا ہوا نکّی ۔۔۔ بتا ۔۔۔ کیا ہوا؟

(نکی زور زور سے رونے لگتی ہے۔ نصرت گلے لگا کر اس کے سر اور پشت پر ہاتھ پھیر رہی ہے۔ نکی کی سسکیاں کچھ کم ہوتی ہیں۔ نصرت اس کے آنسو پونچھ کر اس کے گال پر پیار کر لیتی ہے۔ پھر مسکرا کر کہتی ہے۔)

نصرت : کیا ہوا نکی ــ کسی نے انگلی دکھائی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دوں، کسی نے آنکھ دکھائی ہو تو اس کی آنکھ نکلوا دوں۔ جس نے میری نکی کو ستایا ہے اس کا زن بچہ کولھو میں پلوا دوں۔

نکی : (پھر رونے لگتی ہے۔ سسکیوں کے درمیان۔) قسمت نے ستایا ہے چھوٹی آپا۔ قسمت ہمارے ہاتھ کاٹ رہی ہے۔ قسمت آنکھیں دکھا رہی ہے۔ قسمت نے ہمیں.......

نصرت : (نکی کے منہ پر ہاتھ رکھ کے بڑے دکھ سے کہتی ہے۔) نہیں۔ نکی۔ نہیں۔ تو میری طرح مت سوچ۔ تو تو بہت بہادر لڑکی ہے نا! آخر ہوا کیا۔ مجھے بتا تو سہی!

نکی : مجھے کوچنگ کلاس میں ایڈمیشن نہیں ملا۔

نصرت : کیوں؟

نکی : پیسے پورے نہیں تھے۔ منیجر کی بہت خوشامد کی۔ پرنسپل سے بھی ملی مگر کوئی راضی نہیں ہوا۔

نصرت : مگر اس دن تو ساڑھے تین ہزار پورے ہو گئے تھے۔

نکی : سامنے کا چبوترہ توڑنے کے لیے جو لوگ آئے تھے انھیں دینے کے لیے اماں نے پانچ سو روپے نکال لیے تھے۔

نصرت : مگر وہ ایک ہزار روپے تو منن صاحب لانے والے تھے۔

نکی : بھیا انتظام نہیں کر سکے۔ جا دھو اور چال کے سب لوگ بھیا کو برا بھلا کہہ رہے تھے اس لیے اماں نے میری فیس کے روپوں میں سے پانچ سو نکال کر دے دیے۔

(نصرت بہت غصے میں اٹھ کر ٹہلنے لگتی ہے۔ نکی سر جھکائے بیٹھی ہے۔ تھوڑی دیر بعد نصرت الماری کھول کر ایک ڈبا نکالتی ہے۔)

نکی : اس میں تو اماں گوداوری کے پیسے رکھتی ہیں۔

نصرت : ہاں، پتا ہے مجھے بھی۔ (روپے نکال کر گنتی ہے۔) یہ لے۔ ابھی لے جا کر کمبخت مینیجر کے منہ پر مار۔

نکّی : مگر یہ تو امانت میں خیانت ہے۔

نصرت : ہے تو۔ مگر میرا نامۂ اعمال تو ویسے ہی کافی سیاہ ہے۔ دادی امّاں کے پاس پوری فہرست ہے میرے گناہوں کی۔ ایک گناہ اور سہی۔

نکّی : امّاں کیا کہیں گی۔ گو داوری نے اگر مانگے تو۔؟

نصرت : امّاں کو میں سمجھا لوں گی۔ کل ہی لا کر ان کے پیسے رکھ دوں گی۔ مگر نکّی تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟

نکّی : آپ تو خود ہی پریشان رہتی ہیں۔ میں آپ کی پریشانیوں میں اور اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

نصرت : احمق کہیں کی۔!

نکّی : (نصرت کے گلے میں بانہیں ڈال کر) مگر چھوٹی آپا، Every Cloud has a Silver Lining اس مصیبت کا بھی ایک خوشگوار نتیجہ نکلا ہے۔

نصرت : مجھے تو کوئی خوشگواری نظر نہیں آئی۔

نکّی : چھوٹی آپا، آپ نے دو سال بعد مجھے پیار کیا ہے۔

نصرت : (بے حد اداسی کے ساتھ) تو دن گنتی رہی نکّی؟

نکّی : جی ہاں۔ جب میں دسویں میں میرٹ میں آئی تھی اس وقت آپ نے مجھے کتنا پیار کیا تھا۔ کتنے فخر سے ایک ایک کو بتاتی تھیں کہ میری نکّی میرٹ میں آئی ہے۔

نصرت : (بہت گہری اور بہت ٹھنڈی سانس لے کر۔) ہوں۔

نکّی : کیوں ایسا ہو رہا ہے چھوٹی آپا۔ میرا کتنا دل چاہتا ہے کہ آپ سے لپٹ جاؤں۔ آپ پہلے کی طرح میرا لاڈ کریں۔ لیکن، لیکن۔ یہ سچ ہے کہ ؎

"اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا"۔ مگر زمانے کے سارے دکھ کیا ہمارے ہی حصّے میں لکھ دیے گئے ہیں؟ ہم لوگ .... کیسے ہوتے جا رہے ہیں ہم لوگ! ایک دوسرے سے بات تک کرنے کا وقت نہیں ہے۔ اکٹھے بیٹھ کر

بات کرنے کو جگہ تک نہیں ہے۔ ہماری آپس کی محبّت کہاں چلی گئی۔ چھوٹی آپا،
کیا مستقبل میں ہم سب ـــ امّاں اور سب بہنیں اور بھائی ـ کبھی مل کے ہنس
سکیں گے۔ ہیں چھوٹی آپا؟

نصرت : محبّت کا ہر خیال دل سے نکال دے، نکّی ـــ اُمید کا ہر رشتہ توڑ دے تاکہ
ناامیدی کا کینسر تیری زندگی کو بھی اس طرح برباد نہ کردے جیسے میری زندگی کو
کیا۔ مستقبل سے کوئی اُمید مت رکھ۔ ہمارے لیے تو

ماضی اک تاریک سمندر، مستقبل اک موجِ سراب
حال اک ایسی ٹوٹی کشتی جس کی کوئی تقدیر نہ ہو

پچھلے پانچ سال کا کوئی ایک دن بھی ایسا ہے جسے ہم خوشی سے یاد کرسکیں؟ بول نکّی۔
ایک دن بھی، ہے ایسا؟ ـــ پانچ سال۔ ایک سال کے تین سَو پینسٹھ دن ـــ
چجا لیاقت کی طرح ضرب دے۔ پانچ ضرب تین سَو پینسٹھ ـ کتنے ہوئے؟
ایک ہزار آٹھ سو پچیس دن ـ ان میں سے ایک دن بھی ہمارے لیے بہتر مستقبل
کی اُمید لے کر نہیں آیا۔

(تھوڑی دیر سر پکڑے بیٹھی رہتی ہے ـــ پھر جھُرجھُری سی لے کر
اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔)

بہنیں نکّی ـــ تو مجھ جیسی مت بننا۔ بھول جا ابھی جو میں نے کہا ـ سُنا نکّی ـــ؟
تو خوب پڑھ ـ خوش رہ ـــ تو ان شآء اللہ خوش رہے گی۔ بہت خوش رہے گی۔
محبّتیں اور راحتیں سب تیرے حصّے میں آئیں گی۔ میری بات اور تھی ـ وہ زمانہ اور
تھا۔ اب تو امّاں، منجھو آپا اور میں ـ سب حالات سے لڑرہے ہیں۔ راستے کے سارے
کانٹے ہم چُن لیں گے۔ تیرے لیے ہر راستہ پھولوں بھرا ہوگا۔

(منہاج آتا ہے۔)

نکّی : منّن بھیّا! السّلام علیکم! ـــ اس وقت کیسے آگئے آپ؟

منہاج : وعلیکم السّلام ـ چھوٹی آپا، سلام علیکم۔

نصرت : (اس کی طرف دیکھے بغیر) وعلیکم السلام۔ باہر جانے کے لیے مڑتی ہے۔ منہاج آگے

بڑھ کر اس کے راستے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔)

منہاج : چھوٹی آپا، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

نصرت : مگر مجھے کچھ نہیں سُننا ہے۔

نکّی : چھوٹی آپا، میں جاؤں؟

نصرت/منہاج : (دونوں ایک ساتھ بولتے ہیں۔) ہاں، جاؤ۔ نہیں ــــ ٹھہرو۔

(منہاج جیب سے بٹوا نکال کر پانچ سَو روپے نکّی کو دیتا ہے۔)

نکّی : یہ کیا ہے؟

منہاج : تمھارے روپے۔ اس دن امّاں نے تمھاری کوچنگ کلاس کی فیس میں سے دے دیے تھے۔ تین دن سے کوشش کر رہا تھا کہ کہیں سے مل جائیں۔ مگر میرے سب ساتھی میری ہی طرح مفلس ہیں۔

نکّی : مگر مجھے تو چھوٹی آپا نے یہ روپے دے دیے، وہی جمع کرانے تو جا رہی ہوں۔

منہاج : چھوٹی آپا کے روپے واپس کر دو۔

(نکّی پرس کھول کر نصرت کو روپے دیتی ہے۔ نصرت الماری کھول کر اسی ڈبے میں روپے رکھ دیتی ہے۔ اس عرصے میں نکّی منہاج کے دیے ہوئے روپے پرس میں رکھ کر باہر جانے لگتی ہے۔)

نکّی : چھوٹی آپا، بھیّا، میں جا رہی ہوں۔ خدا حافظ۔

(نکّی کے جانے کے بعد نصرت الماری میں بلاوجہ ادھر کا سامان ادھر کر رہی ہے۔ منہاج دادی امّاں کے پلنگ پر بیٹھا ہے۔)

منہاج : چھوٹی آپا، آج نہ جانے کیسے یہ اتفاق ہوا کہ آپ اور میں گھر میں تنہا ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے بات تک کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ جو باتیں میں آپ سے کرنی چاہتا ہوں وہ دادی امّاں، امّاں، منجھلی آپا اور نکّی کے سامنے کرنا مناسب نہیں ہے۔

نصرت : تو ایسی نامناسب باتیں مت کرو۔ مجھے جانا ہے۔ ٹیوشن کا وقت ہو گیا۔

منہاج : خدا کے لیے چھوٹی آپا، اتنی ظالم نہ بنیے۔ اوّل تو آپ سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کبھی ملا بھی تو میری زبان بند ہو جاتی ہے، مجھے الفاظ نہیں

ملتے۔ مجھے گفتگو کرنے کا فن نہیں آتا۔ میں میر اور اقبال کے شعر نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے تو کسی نے بولنا بھی نہیں سکھایا۔ بچپن ہی سے بغیر کہے میری ہر ضرورت، ہر خواہش پہلے ہی پوری کر دی جاتی تھی۔ اس لیے مجھے نہ مانگنا آتا ہے نہ التجا کرنا۔ مگر پچھلے پانچ برسوں میں میری دکھ بھری آنکھیں برابر آپ سے التجا کرتی رہی ہیں۔ میری نظروں نے ہمیشہ آپ کا پیچھا کیا ہے۔ آپ نے محسوس تو کیا ہوگا، مگر ہر بار نفرت سے مُنہ پھیر لیا۔ کیوں چھوٹی آپا۔ کیوں؟ میرا کیا قصور ہے؟

نفرت : اتنے ننھے بھی نہیں ہو کہ سمجھ نہ سکو۔

منہاج : آج تو ننھا نہیں ہوں۔ مگر اس وقت واقعی ننھا تھا۔ ذہنی طور پر بالکل ننھا۔ ورنہ آپ پر یہ ظلم نہ ہونے دیتا۔ میں تو سمجھ بھی نہیں سکا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا کس پر کیسا اثر پڑے گا۔

نفرت : کیوں؟ تمھارے سامنے ہی تو ابّا نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کے پاس بس اتنا روپیہ ہے کہ کسی ایک بچّے کو کالج بھیج سکیں ــــ اور تم بیٹے ہو اس لیے تمھارے روشن مستقبل کے لیے وہ روپیہ رکھ دیا گیا۔

منہاج : تو کہاں گیا وہ میرا روشن مستقبل ــــ؟ ہر آنے والے کل سے اچھّی اُمید لگاتا ہوں۔ پر وہ کل جب آج بنتا ہے تو گزرے ہوئے کل سے زیادہ تاریک اور غیر یقینی بن کر آتا ہے۔ میرا دماغی سکون بالکل ختم ہو گیا ہے۔

نفرت : تو میں کیا کروں ــــ!

منہاج : آپ مجھے احساسِ جرم سے نجات دلا سکتی ہیں۔ اُس جرم کا احساس جو مجھ سے سرزد ہوا ہی نہیں۔ اس ناکردہ گناہ کی سزا آپ مجھے کیوں دے رہی ہیں؟

نفرت : میں کون اور میری ہستی کیا۔ اگر میں کسی کو سزا دے رہی ہوں تو اپنے آپ کو۔ زندگی کے ابتدائی کچھ سال احمقوں کی جنّت میں گزارے۔ سمجھتی رہی کہ جیسی خوش آج ہوں ویسی ہمیشہ ہی رہوں گی۔ اپنے اوپر بڑا ناز تھا مجھے۔ اپنی ذہانت پر، اپنے حافظے پر اپنی لیاقت پر۔ میں سمجھتی تھی کہ میں اپنی دنیا آپ بنا سکتی ہوں۔ جو چاہوں بن کر دکھا سکتی ہوں۔ کبھی آرکی ٹیکٹ بننے کا خواب دیکھا۔ کبھی ڈاکٹر

کردار

امّاں : عمر پچاس اور پچپن کے درمیان۔ سات بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں۔ بیٹیوں میں سے دو مر چکی ہیں۔

عشرت عُرف منجھو : عمر ۲۹ برس، امّاں کی منجھلی بیٹی، غیر شادی شدہ۔

سطوت عرف سنجھلی : عمر ۲۸ برس، تین بیٹیوں کی ماں۔

نصرت شاہانہ عُرف نجّو : عمر ۲۲ برس، امّاں کی پانچویں بیٹی۔

منہاج عرف مُنّن : عمر ۲۰ برس، امّاں کا اکلوتا بیٹا۔

نگہت عرف نکّی : عمر ۱۷ برس، امّاں کی سب سے چھوٹی بیٹی۔

بُتّن : عمر ۲۹ برس، امّاں کی نند کی لڑکی۔

واجد علی عُرف وجّو : عمر ۲۷ برس، بُتّن کا بھائی۔

دادی امّاں/نانی امّاں : منجھو، سنجھلی، نجّو، مُنّن، اور نکّی کی دادی، بُتّن اور وجّو کی نانی۔

لیاقت : عمر ۵۵ برس، دادی امّاں کا بھتیجا۔

سطوت کی تین بیٹیاں : ایک چھ برس کی، ایک چار برس کی اور ایک نوزائیدہ۔

گوداوری : اماں کی پڑوسن، عمر ۴۵ کے قریب۔

سدا : عمر ۱۲ برس، گوداوری کی نند کا لڑکا۔

رام پیاری : امّاں کی دوسری پڑوسن۔

دھونڈی بابا : ادھیڑ عمر کا نیم پاگل شخص۔

بننے کا۔ جھونپڑیاں اور کھولیاں ہٹاکر پیارے پیارے گھر بنانے کے خواب دیکھے۔ کینسر کا علاج دریافت کرنے والی بھی میں ہی تھی ان خوابوں میں ــــ اور یہ خواب ایک پل میں ٹوٹ گئے منّن صاحب! وہ پل جب تم دسویں پاس ہوئے اور میں ــــ میں زندگی کے امتحان میں فیل ہوئی۔

منہاج : آپ کو میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا لیکن ابّا نے آپ کی فیس اور دوسرے اخراجات کا بار اُٹھانے سے معذوری ظاہر کی تو مجھے بے حد بُرا لگا۔ بخدا بہت بُرا لگا۔ ابّا اور دادی اماّں میری اعلیٰ تعلیم کے منصوبے بناتے تھے تو مجھے اچھّا تو لگتا تھا مگر پھر آپ کی خشک آنکھوں کے ان بہے آنسو میری ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتے تھے۔ میں اتنا چھوٹا تھا کہ اپنے دل کی حالت خود بھی نہیں سمجھ سکتا تھا، پھر ابّا کو کیسے سمجھاتا۔ آپ سے کیسے کہتا کہ میری پیاری چھوٹی آپا؛ میں آپ کی ترقّی کی راہ کا روڑا نہیں بننا چاہتا۔

نصرت : جیسے آج مجھ سے کہہ رہے ہو، ویسے ہی ابّا سے کہہ سکتے تھے۔

منہاج : چھوٹی آپا ــــ! (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے۔) آپ مجھ سے صرف دو سال بڑی ہیں۔ بچپن میں ہمیشہ میں آپ کے پیچھے پیچھے پھراکرتا تھا۔ آپ جانتی ہیں کہ اوّل تو مجھے کبھی کچھ مانگنے یا کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی ــــ اور کبھی پڑی بھی تو آپ ہی میری طرف سے ابّا امّاں سے بات کیا کرتی تھیں ــــ کیوں بھول گئیں آپ یہ سب۔ خدارا انصاف کیجیے۔ میں اتنی بڑی بات کہنے کی ہمّت کہاں سے لاتا۔ الفاظ کہاں تھے میرے پاس۔ ہمیشہ کی طرح بار بار آپ کے پاس آیا کہ آپ اس معاملے میں بھی میری وکیل بن کر ابّا سے بات کریں گی لیکن آپ نے ہمیشہ مجھے دیکھ کر مُنہ پھیر لیا۔

نصرت : ابّا نے تمھاری تعلیم جاری رکھنے کے لیے میری تعلیم ختم کرادی اور تم نے ان کی توقعات بھی پوری نہیں کیں۔ اسی غم نے ان کی جان لے لی۔

منہاج : (دہشت زدہ سا اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔) آپ ــــ چھوٹی آپا ــــ آپ بھی اوروں کی طرح ابّا کی موت کا ذمّے دار مجھے ٹھہرا رہی ہیں؟ اور اگر میں کہوں کہ ابّا کی موت کی ذمّے دار آپ ہیں ــــ تو؟

نصرت : کہتے رہو۔ تمھارے کہنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی کہ بارھویں میں تم معمولی سیکنڈ کلاس میں پاس ہوئے تھے۔ ابا کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئی تھیں، اس لیے انھیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

منہاج : اور یہ جاننے کی کسی نے کوشش نہیں کی کہ جولڑکا دسویں میں بچانوے فی صد مارکس لے کر پاس ہوا وہ بارھویں میں ایک دم اس قدر کند ذہن کیسے ہو گیا کہ معمولی سیکنڈ کلاس میں پاس ہوا۔

نصرت : بُری صحبت میں پڑ گئے تھے تم۔

منہاج : ٹھیک ہے۔ یہی کہہ کر اپنے ضمیر کی آواز کو دباتی رہیے لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ جانتی ہیں میری اس حالت کی ذمّے دار آپ ہیں۔ صرف آپ۔

نصرت : کیا کیا ہے میں نے۔ میں نے تم سے تو کہا، کسی سے بھی کبھی اس سلسلے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

منہاج : "کاش آپ کہتیں۔ مجھے مارتیں۔ برا بھلا کہتیں۔ ابا امّاں سے اس سلسلے میں ضد کرتیں۔ اپنی اس حق تلفی کے خلاف ہنگامہ کرتیں۔ مگر آپ نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ میڈیکل کالج میں داخلہ ہونے کی اطلاع کا خط پھاڑ کر چپ سادھ لی۔ اس چپ کے حصار میں میری چھوٹی آپا کہاں کھو گئیں۔ پانچ سال سے ڈھونڈھ رہا ہوں۔

نصرت : میرے کھو جانے سے کسی کے لیے کیا فرق پڑا؟

منہاج : اوروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہاں میری دنیا تہہ و بالا ہو کر رہ گئی۔

نصرت : تہہ و بالا کیوں ہوتی۔ اچھے خاصے خوش و خرّم ہو۔

منہاج : جی ہاں۔ خوش و خرّم ہوں۔ بہت خوش و خرّم۔ آپ اپنے غم کی توقیر کرنے میں اس قدر محو ہیں کہ دوسروں کے غم آپ کے لیے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔ آپ مجھے اپنا جانی دشمن سمجھتی ہیں۔ اپنے کیریر کی تباہی کا ذمّہ دار گردانتی ہیں۔ آپ کے اس رویّے کی وجہ سے میں خود کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ پچھلے پانچ سال سے خود کو مجرم سمجھتے سمجھتے اب مجھے ایسا لگنے لگا ہے کہ دنیا کی ہر بُرائی کا ذمے دار میں ہی ہوں۔

ابّا کہتے تھے کہ بیٹا کما کر کھلائے گا۔ میں موٹر ٹریننگ اسکول میں معمولی کلرک کسی کو بھی کما کر نہیں کھلا رہا ہوں۔ امّاں، منجھلی آپا، سنجھلی آپا، آپ سب کام کر رہی ہیں اور اپنی اپنی محنت کی کمائی کھا رہی ہیں۔ نکّی کے لیے ابّا کی پنشن کافی ہے۔ دادی کہتی ہیں خاندان کا چراغ ہے، اس سے ہماری نسل چلے گی۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوگا۔ قاضی سیّد وہّاج الدین اور قاضی سیّد معراج الدین کی نسل سیّد منہاج الدین کے بعد منقطع ہو جائے گی۔

نصرت : کیوں؟ تم عذرا سے شادی نہیں کرو گے؟

منہاج : (بے حد حیران ہو کر) عذرا ــــ! آپ عذرا کو کیسے جانتی ہیں ــ؟

نصرت : بس، جانتی ہوں ــ کیوں اور کیسے جان کر کیا کرو گے؟ میری بات کا جواب دو۔

منہاج : بارہ سو روپے تنخواہ پانے والے کو شادی کرنے اور اولاد پیدا کر کے ننگا بھوکا چھوڑ دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس ۱۲×۱۲ فٹ کے کمرے میں ہم نو افراد ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو سانس تک لینے کی جگہ نہیں رہتی اور ایک فرد کی گنجائش کہاں ہے۔!

نصرت : عذرا کیا کہتی ہے ــ؟

منہاج : وہ کیا کہے گی ــ بیوقوف، رومان زدہ لڑکی ــ!

نصرت : تو ان حالات کو بدلنے اور اس ۱۲×۱۲ کے کمرے سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔!؟

منہاج : میں کچھ نہیں کر سکتا چھوٹی آپا۔ جب تک احساسِ جرم کا بوجھ میری چھاتی پر رکھا ہوا ہے میں زندگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکوں گا۔

(نصرت خاموش ہے۔ منہاج اس کی کرسی کے پاس آ کر دوزانو بیٹھ جاتا ہے۔ واجد آتا ہے۔ دونوں کو اس طرح دیکھ کر چپ چاپ کھڑا رہتا ہے۔)

منہاج : چھوٹی آپا ــ آپ کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ آپ کی زندگی برباد ہو گئی تو

میں کون سا آباد ہو سکا ۔ ابّا نے بیٹی اور بیٹے میں تفریق کر کے آپ کے ساتھ ناانصافی کی تھی، لیکن قسمت نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے ۔ کم سے کم بربادی میں ہم دونوں کو برابر کا حصّہ دیا ہے۔ جتنی ناشاد آپ ہیں اتنا ہی میں بھی ہوں۔ آپ دُکھی رہیں گی تو مَیں بھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔ کبھی کچھ کرنے کی اُمنگ میرے دل میں پیدا نہیں ہوگی۔ زمانے سے لڑنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت میں کہاں سے لاؤں ۔ چھوٹی آپا، میرا کوئی قصور نہیں ہے، پھر بھی میں خود کو قصوروار مان کر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ خدا جانے پھر ایسا موقع ملے یا نہ ملے ۔ چھوٹی آپا، خدا کے لیے مجھے مار دیجیے، پیٹیے۔ بُرا بھلا کہیے ۔ مگر یہ چپ کی مار نہ دیجیے ۔ چھوٹی آپا ۔ چھوٹی آپا۔

(نصرت کی گود میں سر رکھ کر روتا ہے۔ نصرت تھوڑی دیر اپنے آپ کو روکتی ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتی ہے ۔ روشنی دھیرے دھیرے کم ہوتی جاتی ہے۔ واجد چپ چاپ واپس چلا جاتا ہے۔)

اندھیرا

دوسرا منظر

(نصرت باہر چبوترے پر کرسی ڈالے بیٹھی ہے۔ ہاتھ میں "کلیاتِ اقبال" ہے، کتاب بند ہے۔ نصرت کسی سوچ میں گم ہے۔ لیاقت اور واجد آتے ہیں۔ لیاقت زور سے سلام کرتا ہے۔ واجد سر کے اشارے سے سلام کر کے اندر جا کر دادی اماں کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔)

لیاقت : السلام علیکم، شاہانہ خانم، عرف نصرت فاطمہ ـــ کیا ہو رہا ہے؟

نصرت : وعلیکم السلام ـــ دادی اماں اندر ہیں۔

لیاقت : وہ تو ہمیں نظر آ رہا ہے ـــ آپ کیا کر رہی ہیں؟

نصرت : کتاب پڑھ رہی ہوں ـــ ("کلیاتِ اقبال" کھول کر پڑھنے لگتی ہے۔)

لیاقت : کچھ ہمیں بھی تو سناؤ۔

نصرت : "حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے"

لیاقت : ہماری تو سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کیا فائدہ ایسی کتاب کا؟

نصرت : (زور سے کتاب بند کرتی ہے۔) جی ہاں، کیا فائدہ۔ نہ اس میں بھینسوں کے بارے میں کچھ ہے نہ قینچیوں کے بارے میں!

دادی اماں: یہاں آ کے بیٹھو میاں لیاقت۔ تم بھی کس سے اُلجھ گئے۔ جھکی ہے یہ لونڈیا تو۔

(لیاقت اندر جا کر دادی اماں کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔)

لیاقت : مگر ایسے لب سڑک بیٹھنے سے تو اسے منع کیجیے۔

دادی اماں: کس میں بوتا ہے جو اسے کسی بات پر ٹوک سکے۔

لیاقت: لڑکیوں کو اتنا پڑھانا اور اتنی آزادی دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔

(نصرت اٹھ کر اندر آتی ہے۔)

نصرت : (بڑے طنز سے نقل اُتارتے ہوئے) "ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا" چچا لیاقت آپ کا اور دادی اماں کا "ہمارے یہاں" آخر ہے کہاں؟ کہاں ہے وہ خیالی بستی جہاں سب کچھ صحیح ہوتا ہے۔ آپ اور دادی اماں مل کر ایک فہرست بنا دیجیے، عنوان ہو "ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا" نمبر ایک، نمبر دو، نمبر تین ـــــ میں اس فہرست کو سامنے دیوار پر ٹانگ دوں گی۔ کچھ کرنے سے پہلے دیکھ لیا کروں گی کہ ہمارے یہاں ایسا ہوتا ہے یا نہیں۔

لیاقت : بی بی، شریف زادیوں کو ایسی فہرست کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی یہ باتیں سمجھ لیتی ہیں۔

نصرت : اچھا ـــــ تو اب سمجھ میں آیا کہ مسئلہ کیا ہے ـــــ چچا لیاقت، آپ اور دادی اماں بات کر رہے ہیں شریف زادیوں کی جیسے ہماری منجھو آپا، سنجھلی آپا اور نکی ہیں۔ اب رہی میں ـــــ تو میں تو ایک عام سی نارمل لڑکی ہوں۔

(سدا آتا ہے۔)

سدا : چھوٹی آپا، تمھارے کو مانک بھائی کے گھر بُلائے۔

نصرت : کیا کام ہے؟

سدا : کل مادھو کا لگن ہے نا۔ اس کو مہندی لگانے کے واسطے۔

نصرت : اچھا چلتی ہوں (الماری کے نیچے سے چپّل نکال کر ہاتھ میں لیے باہر تک آتی ہے۔ نیچے ڈال کر پہنتے ہوئے کہتی ہے۔) دادی اماں، میں جا رہی ہوں۔

واجد : نصرت، یہ کہاں کی شرافت ہے بھئی۔ ہم تو تمھارے گھر آئے ہیں اور تم جا رہی ہو ـــ!؟

نصرت : آپ مجھ سے ملنے تھوڑی آئے ہیں۔ چل رے سدا ـــ!

(چلی جاتی ہے۔)

لیاقت : پھپھی جی، اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔؟ کوئی اسے منع نہیں کرتا۔!؟

دادی اماں : اے بھیّا۔ سارے اس کی زبان درازی سے ڈریں ہیں۔ اماں نے لاڈ

میں لگاڑ کے سر پر چڑھا رکھا ہے، بہنیں اس کے کہے پر چلیں ہیں، اب رہا میرا منّن۔ وہ دُکھیا تو اس سے ایسا ڈرے ہے جیسے چوہا بلّی سے۔ نہ کبھی کچھ بولے ہے نہ کسی بات میں دخل دے ہے۔

لیاقت : یہ تو بڑی غلط بات ہے! بس تو آپ بھابھی جان سے کہہ کر اسی سے میری شادی کرا دیں۔ میں اسے دو دن میں سیدھا کر دوں گا۔ تکلے کے بل نہ نکال دیے تو لیاقت نام نہیں۔

دادی اماں : ان کی اماں جان نے تو عشرت کے واسطے بھی صاف انکار کر دیا۔

لیاقت : عشرت سے تو میں خود نہ کروں۔ اُتراڈھول بجانے کا مجھے شوق نا ہے۔ میرے لیے تو یہ بکھیری ہی ٹھیک رہے گی ـــــ اور کسی کے قابو میں تو نہ آنے کی۔

(واجد بہت ناگواری سے مُنہ بنا کر باہر نکل جاتا ہے۔ کرسی پر سے نفرت کی کلیاتِ اقبال اُٹھا کر پڑھنے لگتا ہے۔ پڑوس کے گھر سے گانے کی آواز آتی ہے۔)

ہم تورے بابل کھونٹے کی گئیاں
ہانکو جدھر ہنک جائیں ـــــــ رے لکھی بابل مورے
کاہے کو بیاہی بدیس ـــــــ رے لکھی بابل مورے

لیاقت : ہیں؟ یہ بابل کہاں گایا جانے لگا؟

دادی اماں : پڑوس میں گجراتیوں کے گھر شادی ہے کل۔ یہ ہمارے یہاں کی فتنہ گئی ہے نا۔ اسی نے لگایا ہوگا رکاٹ۔

لیاقت : گجراتیوں کے گھر اس کا کیا کام؟

دادی اماں : اے بھیّا ـــ یہ چال کیا ہے کبوتروں کی کھیل ہے۔ گجراتی، مرہٹی، مدراسی ـــ جانے کہاں کہاں کے لوگ ہیں ـــ اور یہ جلے پیر کی بلّی سی ہر گھر میں گھسے ہے جا جا کر۔ یہ نہ جاوے تو وہ آ جاویں ہیں اسے پوچھنے۔ عجیب عجیب زبانیں بولیں ہیں۔ میرا تو جی گھبراوے ہے سُن سُن کر۔

لیاقت : ہوں ـــ (سر ہلاتا ہے) ٹھیک ہے پھپھی۔ بھابھی جان سے بات کر کے مجھے بتائیے۔

ذرا جلدی ۔ ! ایک دو دن میں مجھے جانا ہے ۔

دادی اماں : اے واجد بیٹے، ذرا ادھر سے تیسرے کمرے میں سے نصرت کو آواز دے کر بلا لاؤ ۔ یا کوئی بچہ ہو تو اس سے کہو بلا لائے ۔

واجد : اسے کیوں بلا رہی ہیں نانی اماں ــــ رہنے دیجیے ۔ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں گئی ہے ۔ سنے بولے گی تو ذرا دل بہلے گا ۔

دادی اماں : اے بیٹیا، تم دونوں کے لیے چائے، شربت کچھ تو بنا دے گی آکر ۔ میں تو کسی کرت کی نا ہوں ۔

واجد : چائے شربت کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ۔ چلیے ماموں لیاقت ۔

لیاقت : میرا تمھارا راستہ تو اب الگ الگ ہے ۔ میں تو گورے گاؤں جاؤں گا ۔

دادی اماں : اے وہاں کیا کام ہے تمھیں ؟

لیاقت : میرا ایک دوست ہے وہاں ۔ چالیس بھینسیں ہیں اس کے پاس ۔ دیکھوں گا کیسے انتظام کرتا ہے ۔

واجد : اچھا، تو پھر خدا حافظ !

لیاقت : خدا حافظ ابھی کہاں ــ چلو ذرا مجھے اسٹیشن تک چھوڑ دو ۔

واجد : جی نہیں ماموں ۔ معاف کیجیے، آپ کو چھوڑنے نہیں جا سکوں گا ۔ چلیے اسٹیشن تک کے لیے آٹو رکشا کر دیتا ہوں ۔

لیاقت : آٹو رکشا میں خود لے لوں گا ۔ تمھاری کیا ضرورت ہے ۔

واجد : پھر بھی ــــ نکڑ تک تو ساتھ چلتا ہوں ۔

لیاقت : اچھا پھپھی جی، خدا حافظ ــ بھابھی جان سے بات کر کے مجھے کل تک بتا دیجیے ۔

(دادی اماں خاموش پریشان سی اسے دیکھ رہی ہیں ۔ دونوں چلے جاتے ہیں ۔ ان کے جانے کے بعد نصرت آتی ہے ۔ کتاب اٹھا کر کرسی پر بیٹھ جاتی ہے ۔ واجد آتا ہے ۔ نصرت نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی ۔ واجد اندر دادی اماں کے پاس جا کر پوچھتا ہے ۔)

واجد : (بہت نرمی سے) کیا بات ہے نانی اماں؟

(دادی اماں نصرت کی طرف اشارہ کر کے اپنے سر پر ہاتھ مارتی ہیں۔ واجد مسکرا کر دونوں ہاتھوں سے اطمینان دلانے کے اشارے کرتا ہے۔ پھر باہر چبوترے پر آتا ہے۔ نصرت اسی طرح پڑھ رہی ہے۔ واجد کھڑا تھوڑی دیر اسے دیکھتا ہے۔)

واجد : "نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے"

(شعر کا دوسرا مصرع پڑھتے وقت نصرت کا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر ہلکے سے ہلا دیتا ہے۔)

نصرت : (کتاب بند کر کے) آج تو میر جی خفا سے ہیں۔ آئندہ اگر آپ اس تاجرِ مولیشیاں کو یہاں لائے تو سچ مچ خفا ہو جاؤں گی آپ سے۔

دادی اماں : اَے واجد! اندر آ جاؤ میرے چاند۔ اس لونڈیا کا تو دماغ خراب ہے۔

نصرت : خراب ہے تو خراب ہی سہی۔ کیوں آتا ہے یہ اڑنا بھینسا ہمارے گھر۔ کیوں لاتے ہیں آپ اسے؟ کیوں کرتا ہے وہ ایسی بیہودہ باتیں؟

واجد : اچھا، اندر تو چلو!

نصرت : کیوں؟

دادی اماں : بس کیوں۔ کیوں ـــ ہر بات پر کیوں ـــ پاگل کہیں کی ـــ اس کی نانی کا چھوٹا بھائی تھا۔ پاگل تھا وہ بھی۔ ہر بات پہ پوچھے تھا "کیوں؟" کہیں ہیں کسی ٹھاکر کی بیٹی پہ لوٹ ہو گیا تھا۔ بات پھیلی تو وہ دکھیا تو خودکشی کر کے اس پاپ سے چھوٹ گئی ـــ اور وہ ـــ اس کی نانی کا چھوٹا بھائی ـــ پاگل ہو گیا۔ راتوں کو ٹھاکر کی حویلی کے نیچے کھڑا ہو کے چلایا کرے تھا ـــ کیوں؟ ـــ کیوں؟ پھر اچانک غائب ہو گیا۔ مدتوں ڈھونڈتے رہے گھر والے۔ کہیں ہیں ٹھاکر نے قتل کروا کے کہیں پھنکوا دیا۔ آخر ٹھاکر تھا وہ۔ کاہے کو برداشت کرتا اپنی رسوائی۔

(دادی اماں کے اس مکالمے کے دوران میں نصرت اپنی کرسی پر تھوڑا سا مڑ گئی ہے۔ اس کا آدھا چہرہ دادی اماں کی طرف، آدھا ناظرین

کی طرف ہے ۔ چہرے پر درد و کرب کے آثار ۔ واجد جاکر دادی اماں کے پاس پلنگ پر بیٹھ گیا ہے ۔)

واجد : بڑے ظالم تھے ہمارے بزرگ بھی !

دادی اماں : ظلم کی اس میں کیا بات ہے میاں ؟ زمانے کے دستور کے خلاف جو جاوے گا اس کا حشر تو خراب ہوگا ہی ! وہ تو کہو اس زمانے میں ہندو مسلمان کے فساد کا رواج نہ تھا ورنہ وہ خون خرابہ ہوتا کہ دیکھا نہ سُنا ۔ اچھا میاں، تھک گئی میں تو ۔ اب لیٹوں گی ۔ مجھے چادر اُڑھا دو ۔ شاید آنکھ لگ جائے ـــــ اور جاتے جاتے اس باولی سے کہتے جانا اندر آ کے بیٹھے ۔

(واجد دادی اماں کو چادر اُڑھا کر باہر آتا ہے ۔ نصرت اسی طرح گم سم بیٹھی ہے ۔ واجد تھوڑی دیر کھڑا اسے دیکھتا ہے ۔ پھر اندر جاکر کرسی لا کے چبوترے پر رکھتا ہے ۔ کمرے میں اندھیرا ـــــ اب صرف چبوترے پر روشنی ہے ۔ واجد کرسی پر بیٹھ جاتا ہے ۔ نصرت کے ہاتھ سے کتاب لے کر بند کر دیتا ہے ۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت دھیرے سے بولتا ہے ۔)

واجد : نجّو ـــــ نجّو ـــــ !

(نصرت بہت ہولے ہولے سر اُٹھاتی ہے پھر پلکیں اٹھاکر واجد کو دیکھتی ہے ۔ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے ہیں ۔ اچانک نصرت ہاتھ چھڑا کر سر جھٹکتی ہے ۔)

واجد : کیا بات ہے نجّو ؟

نصرت : وجّو بھیّا ـــــ آپ کے میر صاحب تو کہتے ہیں :

محبّت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور نہ ہوتی محبّت نہ ہوتا ظہور

تو پھر محبّت کرنے والوں کا انجام ہمیشہ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے ؟

واجد : ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوتا نجّو ـــــ ہونا بھی نہیں چاہیے ۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے ۔

پہلا ایکٹ

پہلا منظر

(پردہ اٹھتا ہے تو اسٹیج پر اندھیرا ہے۔ آہستہ آہستہ بہت ہلکی سی روشنی ہوتی ہے جس میں ۱۲×۱۲ کے کمرے میں کچھ لوگ سوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کمرے میں بائیں طرف لکڑی کے تختوں والا پلنگ بچھا ہے۔ اس کے پائے اتنے اونچے ہیں کہ اس کے نیچے ایک شخص سو سکتا ہے۔ پلنگ کی پائنتی لکڑی کی ایک چھوٹی سی الماری ہے۔ الماری اور پلنگ کے درمیان کچھ فولڈنگ کرسیاں دیوار سے ٹکی ہوئی ہیں۔ دائیں طرف کی دیوار سے ملی ہوئی جگہ پر نیچی سی منڈیر بنا کر اسے پردے سے گھیر کر غسل خانہ بنا لیا گیا ہے جو موری کہلاتا ہے۔ اسی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک گز چوڑی جگہ کمرے کے فرش سے ذرا اونچی ہے۔ اس پر چھوٹی سی میز پر گیس کا چولھا رکھا ہے، برابر میں سیلنڈر۔ دیوار پر چھوٹی سی الماری میں پیالیاں، طشتریاں اور کچھ روزمرّہ کے استعمال کے برتن رکھے ہیں۔ اس جگہ کو بھی پردہ کھینچ کر بقیہ کمرے سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

بیک گراؤنڈ سے راوی کی آواز آتی ہے۔ راوی کے بیان کے دوران میں اسپاٹ لائٹ کمرے کی ہر چیز پر اور سوتے ہوئے ہر فرد پر تھوڑی تھوڑی دیر رکتی ہے۔ پہلے پلنگ پر سوتی ہوئی دادی اماں پر؛ ان کا چہرہ ناظرین کی طرف ہے۔ پھر پلنگ کے نیچے سوتی ہوئی نئی پر۔ پلنگ کے متوازی زمین پر بستر بچھائے سوتی ہوئی عشرت اور اماں پر، دروازے کے پاس سوتے ہوئے مُنّن پر۔ اور سب کے بعد غسل خانے کے سامنے، سب سے ذرا ہٹ کر، گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی نصرت پر)

نصرت : آپ ــــ ؟

واجد : ہاں ــــ ہم ! " نانی سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم " اپنی محبوبہ کو کار میں بٹھاکر اڑا لے جائیں گے ۔

نصرت : (کھلکھلاکر ہنس پڑتی ہے) ارے، آپ کی ایک محبوبہ بھی ہے ؟ اور اس کے ساتھ ایک عدد نانی کا لٹیکن بھی ــــ ! ؟ کون ہیں موصوفہ ؟ ہمیں کب ملوائیں گے ان سے ؟

واجد : محبوبہ سے یا نانی سے ؟

نصرت : نانیوں دادیوں سے بہت مل چکے ۔ اب آپ کی محبوبہ سے ملیں گے ۔

واجد : ضرور ملنا ۔ پہلے ہمارے ایک سوال کا جواب دو ۔

نصرت : اُفوّہ ــــ منیر شامی کی محبوبہ کی طرح آپ بھی سات سوال پوچھیں گے ــــ ؟

واجد : نہیں ــــ صرف ایک ۔

نصرت : (مسکراکر) اچھا، چلیے ــــ پوچھیے ۔

واجد : اچھا، چلیے ــــ بتائیے محترمہ نصرت فاطمہ عرف شاہانہ خانم کہ آپ نے بھی کبھی کسی سے محبت کی ہے یا صرف لڑنے جھگڑنے اور نفرت کرنے ہی میں عمرِ عزیز گزارنے کا ارادہ ہے ۔

(نصرت کے چہرے پر پھر غم کا سایہ لہرانے لگتا ہے ۔ دوسری طرف دیکھنے لگتی ہے ۔ سڑک پر دھونڈی با جاتا نظر آتا ہے ۔ اسے پکارتی ہے ۔)

نصرت : اے دھونڈی با، اکڑے یے ــــ (ए धोंडीबा, इकडे ये)

(واجد سے :) دیکھیے، یہ ہے ۔ اس سے محبت کی ہے میں نے ۔

واجد : کیوں بچارے پاگل کا مذاق اُڑا رہی ہو ۔

نصرت : مذاق ؟ میں بالکل سیریس ہوں واجو بھائی ــــ میری اپنی رگوں میں نانی کے پاگل بھائی کا خون دوڑ رہا ہے ۔ بھلا میں کسی پاگل کا مذاق کیسے اڑاؤں گی ۔ میں تو اسے بُلاکر بیڑی کے لیے پیسے دیتی ہوں اماں کے ڈبے میں سے چُراکر ۔

واجد : چُراکر؟

نصرت : اورکیا ــــ ویسے مانگوں گی تو دیں گی تھوڑی ۔ ہزاروں خرچوں کی فہرست زبانی سُنا دیں گی جیسے بمبئی کے ہوٹلوں میں بیرے کھانے کی فہرست سُناتے ہیں : مٹن چاپ ، مٹن فرائی ، مٹن مسالہ ، مٹن چلی ، چکن تندوری ، چکن کری ۔

واجد : (ہنستا ہے) تم نے آرکیٹیکٹ اور ڈاکٹر بننے کے پلان بنائے تھے ۔ کبھی ایکٹنگ کا خیال نہیں آیا ؟

نصرت : چھوڑیے میری کمبخت پلانوں کو ــــ ارے دھونڈی یا کھڑا ہے ۔ ٹھہریے میں اسے پیسے دے دوں ۔ (اٹھنے لگتی ہے ۔)

واجد : کتنے دینے ہیں ــــ ؟ (بٹوا نکالتا ہے ۔)

نصرت : بیڑی کا ایک بنڈل جتنے میں آتا ہو ۔

واجد : (پانچ روپے دیتا ہے ۔ دھونڈی یا خوش ہوکر بار بار نمسکار کرتا ہے ۔) اب اسے رخصت کرو ۔

نصرت : جاآتا ۔ (जा आता)

(دھونڈی یا پھر ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتا ہے اور چلا جاتا ہے ۔
نصرت دیر تک اسے جاتا دیکھ رہی ہے ۔)

واجد : کہاں چلی گئیں نجّو ــــ واپس آجاؤ ۔

نصرت : وجّو بھیّا ــــ میں اکثر سوچتی ہوں کہ میری نانی کے چھوٹے بھائی کی لاش تو ملی نہیں تھی ۔ ہوسکتا ہے وہ زندہ ہوں اور دھونڈی یا کی طرح کہیں محتاج ، بے کس ، بے سہارا پھرتے ہوں ــــ !

(واجد اٹھ کر اس کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہوجاتا ہے ۔ اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے ۔)

واجد : نجّو ــــ کیوں تم سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں لیے پھرتی ہو ــــ ؟ اتنی سی لڑکی اور اس کی جان کے لیے اتنے غم ــــ ارے بھئی اپنے ڈاکٹر اقبال کی نصیحت پر عمل کرو : " مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو ، جہاں تیرا ہے یا میرا ؟ " آؤ تھوڑی دیر

کے لیے سارے رنج وغم بھول کر اچھی اچھی باتیں کریں ۔

نصرت : (پھر مسکرانے لگتی ہے ۔) آپ کی محبوبہ کی باتیں ۔

واجد : ہاں ـــ "آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں"

نصرت : لندن میں تو آپ نے درجنوں کے حساب سے عشق کیے ہوں گے ۔!؟ ہم تو سمجھے تھے کہ اب کی بار آتے ہی آپ اعلان کریں گے کہ: "اِک بتِ سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد"۔ مگر آپ تو اب کی بار بھی اکیلے ہی آئے ۔

واجد : لندن پہنچے تو پتا چلا کہ دل تو ہندوستان ہی میں ایک سانولی سلونی کے پاس چھوڑ آئے ہیں ۔ لندن کے بچارے سیمیں بدن بتوں کے لیے کچھ تھا ہی نہیں ہمارے پاس ۔

نصرت : (کھلکھلا کر ہنستی ہے ۔) جھیل سی نیلی آنکھوں نے جال تو بہت بچھائے ہوں گے ؟

واجد : ہاں، جال بچھائے تو ــــ مگر کجرارے نینوں کی کٹار نے ہر جال کاٹ کر پھینک دیا ۔

نصرت : (شرارت سے سیٹی بجاتی ہے ۔) تو یہ بات ہے! کجرارے نینوں والی وہاں ساتھ تھی ۔

دادی اماں: (ہلکی سی روشنی میں کروٹ بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں ۔) اے لونڈیا تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ۔ باہر چبوترے پر بیٹھی سیٹیاں بجا رہی ہے ۔ چل اندر ۔ وجّو بیٹے، اندر آجاؤ ۔ سڑک چل رہی ہے ۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا ۔ لوگ کیا کہیں گے ؟

واجد : آتے ہیں نانی اماں ۔ (نصرت سے) ذرا دھیرے دھیرے بولو بھئی ۔

نصرت : دھیرے کیا ۔ میں تو آپ کے کان کے پاس آکر سرگوشیاں کروں مگر اس بدھ دادی اماں کو شک ہوگا کہ میں ان کی برائیاں کر رہی ہوں!

واجد : (زور سے ہنس کر) POOR OLD نانی اماں ۔ نجّو واقعی تم بہت شیطانی کرتی ہو ۔ پتا ہے ماموں لیاقت سے نانی اماں کہہ رہی تھیں کہ سارے بہن بھائی

تم سے ڈرتے ہیں۔

نفرت : ہاں، ٹھیک ہی کہا۔ ڈرتے تو ہیں سب۔

واجد : کیوں بھلا؟

نفرت : میرا نام نفرت ہے۔ اس لیے۔

واجد : یہ کیا بات ہوئی بھئی؟

نفرت : دیکھیے، ہماری بڑی آپا کا نام ہے عزت، منجھو آپا کا عشرت، سنجھلی آپا کا سطوت، ننکی کا نگہت اور منّن صاحب کا منہاج۔

واجد : تم تو ایسے بتا رہی ہو جیسے مجھے معلوم نہ ہو۔

نفرت : معلوم تو ہے، مگر اس میں جو نکتہ ہے وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا اب تک۔

واجد : تم سمجھا دو۔

نفرت : دیکھیے، ان سب کے نام کے پہلے حرف کے نیچے زیر ہے۔ ہے نا؟

واجد : ہاں، ہے تو۔

نفرت : اور میرے نام کے پہلے حرف پر زبر ہے۔ ہے نا؟

واجد : وہ بھی ہے۔

نفرت : میرا زبان سب کے زیر سے زبردست ہے۔ اس لیے سب زیر و زبر ہو جاتے ہیں۔

واجد : (قہقہہ لگا کر) بڑی دور کی کوڑی لائی ہو۔ مگر یاد رہے ہم بھی زبر والے ہیں۔

نفرت : اسی لیے تو آپ کو DOMINATE کرنے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔

واجد : کوشش کرنے کی تمھیں ضرورت ہی نہیں۔ ہم تو پہلے ہی سے تمھیں زبردست مانے ہوئے ہیں۔

نفرت : اچھا چھوڑیے زبردستی کی باتیں۔ یہ بتائیے کہ ہمیں اس اپنی سانولی سلونی کے درشن کب کرائیں گے۔

واجد : ابھی تو ہم نے ہی جی بھر کے درشن نہیں کیے۔

نفرت : کیوں دور درشن ہیں موصوفہ ــــ؟

واجد : نہیں ــــ ہیں تو یہیں۔ قریب ہی ــــ بمبئی میں۔

نصرت : ارے ــــ ! اُدھر بٹن باجی نے آپ کے لیے امریکہ رٹرن، چندے آفتاب، چندے ماہتاب ٹھوڑی تارہ ماتھے چاند، حسین، جمیل، ماہ لقا، دل رُبا دلہن ڈھونڈی ہے۔ اِدھر آپ بمبئی کی ایک کالی کلوٹی کو دل میں بسائے بیٹھے ہیں۔

واجد : (مصنوعی غصّے سے) MIND YOUR LANGUAGE PLEASE
خبردار جو ہماری سلونی کو کالی کلوٹی کہا ۔ تم نے یا کسی اور نے ۔

نصرت : (پھر کھلکھلا کر ہنستی ہے ۔) تو پھر آپ شادی کب کر رہے ہیں ؟

واجد : کریں گے بھئی ۔ پہلے اسے راضی تو کرلیں ۔ !

نصرت : ارے ؟ ابھی تک وہ راضی نہیں ہوئی ؟ تعجب ہے ۔ آپ تو جب اپنے CHARM کا سوئچ آن کرتے ہیں تو پتھر بھی پگھلنے لگتے ہیں ۔

واجد : اچھا ــــ ! ؟

نصرت : اور کیا ــــ دادی امّاں جیسی جنّاتنی کو آپ نے شیشے میں اُتار لیا ۔

واجد : (ناگواری سے) اونہہ ــ نانی امّاں کو کیوں بیچ میں لے آئیں ــــــ BY THE WAY جنّات کا مونث جنّاتنی نہیں ہوتا ۔

نصرت : کچھ بھی ہوتا ہو ہمیں کیا ۔ ہو سکتا ہے جنوں میں بھی مؤنث کو گردن زدنی سمجھتے ہوں ــ !

واجد : تم ہر پھیر کے اسی موضوع پر کیوں آجاتی ہو ــــ ؟

نصرت : اچھا چلیے ، آپ کی سلونی کے موضوع پر آجاتے ہیں ۔ ہاں ! تو وہ آپ کی کجرارے نینوں والی شریمتی سانولی جی ابھی تک راضی کیوں نہیں ہوئیں ؟

واجد : ذرا باولی سی ہے وہ ۔

نصرت : (پھر کھلکھلا کر ہنستی ہے) ارے ۔ ہماری نانی کے چھوٹے بھائی کی رشتے دار تو نہیں ہے کہیں ؟

واجد : ہاں ، کچھ ایسا ہی معاملہ ہے ۔

نصرت : ہماری نانی کے سارے رشتے دار تو رامپور ہی میں ہیں ۔ آپ کب پہنچ گئے تھے وہاں اس کے کجرارے نینوں کی کٹار کا شکار بننے ــ ؟

واجد : ہم تو یہیں بیٹھے بیٹھے شکار ہو گئے۔
نصرت : ارے واہ! بڑی ماہر شکاری ہے۔ ریموٹ کنٹرول سے اتنا بڑا شکار کرلیا۔!
واجد : ہاں، کچھ ایسا ہی ہوا۔
نصرت : تو اب اسے راضی کرنے کے لیے سیٹیلائٹ سے پیغام بھیجیے۔
واجد : پیغام تو کئی بار بھیجے، مگر اُدھر کے ریسیور میں کچھ خرابی ہے۔
نصرت : (پھر کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہے۔) ہائے ہائے، عشق کا ٹیلی کمیونکیشن سسٹم بھی ممبئی کے کمیونکیشن سسٹم کی طرح خراب ہے۔ خیر، آپ دُکھی مت ہوئیے۔ ہم آپ کے قاصد بن کر جاتے ہیں اور آپ کی سلوتی کے پاس سے آپ کے پیغام کا جواب لاتے ہیں۔
واجد : "قاصد! یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے"

(نصرت بہت زور سے ہنستی ہے۔ واجد بھی اس کے ساتھ ہنس رہا ہے۔ آگے بڑھ کر نصرت کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ان کی ہنسی کی آواز سے دادی اماں کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ ان دونوں کو بھونچکّی سی ہو کر دیکھتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد)

دادی اماں : وجّو ـــــ کیا ہو رہا ہے بیٹے یہ ـــــ؟
وجّو : (نصرت کا ہاتھ چھوڑ کر) کچھ نہیں نانی اماں۔

(اندر آتا ہے۔ دادی اماں غصّے سے کانپ رہی ہیں۔)

دادی اماں : اے بیٹا، تم نے تو کچھ خاندان کی عزّت کا خیال کیا ہوتا۔ (نصرت کی طرف اشارہ کر کے) اس سے تو کچھ کہنا بیکار ہے۔ اس کے خون میں تو ننھیال کی طرف سے بے حیائی آئی ہے۔

(نصرت تڑپ کر کرسی سے اٹھتی ہے۔ اندر آتی ہے۔)

نصرت : لیجیے، آج اس بے حیا خون کا قصّہ ہی ختم کیے دیتی ہوں۔
واجد : (اسے پکڑ لیتا ہے) نصرت! ہوش میں آؤ ـــــ!
نصرت : (خود کو چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔) نصرت نہیں ـــــ شاہانہ ہے میرا نام!

جب میری ساری بُرائیوں کا ذمّے دار میرا ننھیال خون ہے تو ددھیال نام کو کیوں بدنام کرتے ہیں آپ ۔ نفرت فاطمہ کو تو کھل کر ہنسنے کی بھی اجازت نہیں ہے ۔ اسے تو عشرت فاطمہ کی طرح درد سے پھٹے ہوئے سر میں پٹّی باندھے گھُٹ گھُٹ کے جینا اور چپ چاپ مرجانا چاہیے ۔

واجد : نجّو ــــ !

نفرت : نجّو نہیں ــــ شاہانہ ہوں میں ۔ شاہانہ خانم چپ چاپ نہیں مرسکتی (آواز بھرا جاتی ہے ۔) مرے گی تو وہ بھی ــــ اور کر ہی کیا سکتی ہے ۔ (پھر غصّے کا لہجہ) لیکن مرنے سے پہلے تھوڑا بہت شور تو ضرور مچائے گی ۔

واجد : نفرت ــــ تمھیں کیا ہو جاتا ہے ! ابھی تو اپنے نام کی طرح تر و تازہ ، شگفتہ تھیں اور اب ــــ

نفرت : مجھے کیا ہو جاتا ہے ــ ؟ ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا ۔ لیکن ایک دن اپنی نانی کے چھوٹے بھائی کی طرح میں بھی پاگل ہو کر کہیں نکل جاؤں گی ــ پھر کبھی واپس نہیں آؤں گی ــ کبھی نہیں ۔

دادی امّاں : اے جا ــــ منہ کالا کر ــــ کسی کو غم نہ ہونے کا تیرے جانے کا ۔ خس کم جہاں پاک ۔

نفرت : ہاں ــــ خس کم جہاں پاک ۔ بغیر بُلائے دنیا میں آئی تھی ۔ نہ کسی کو آنے کی خوشی ہوئی تھی ، نہ کسی کو جانے کا غم ہوگا ۔

واجد : (اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر) نہیں ، نجّو ــــ نہیں ــ ایسا نہیں ہے ۔ ایسا نہیں ہے ۔

(واجد کی آواز ہلکی ہوتی جاتی ہے ۔ بیک گراؤنڈ سے نظم گانے کی آواز بلند ہوتی ہے ۔)

آتی ہو اکثر بے طلب دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی ، یاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو، دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں، قوموں کی عزت تم سے ہے

(دھیرے دھیرے روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔)

اندھیرا

تیسرا منظر

(نصرت سدا کو پڑھا رہی ہے۔ سدا زور زور سے نظم پڑھ رہا ہے۔)

میں چھوٹا سا اک لڑکا ہوں پر کام کروں گا بڑے بڑے

جتنے بھی لڑاکا لڑکے ہیں میں سب کو نیک بناؤں گا
جو بکھرے ہوئے ہیجولی ہیں ان سب کو ایک بناؤں گا
سب آپس میں مل جائیں گے جو رہتے ہیں اب لڑے لڑے
میں چھوٹا سا اک لڑکا ہوں پر کام کروں گا بڑے بڑے

میں پیار کروں گا دنیا سے، اور دنیا کے کام آؤں گا
روتوں کے آنسو پونچھوں گا، دکھیوں کے درد مٹاؤں گا
لوگوں کی بھلائی کی خاطر دکھ جھیلوں گا میں کڑے کڑے
میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں پر کام کروں گا بڑے بڑے

(اماں چٹائی پر بیٹھی ہاتھ سے کوئی کپڑا سی رہی ہیں۔ پاس ہی نکّی سو رہی ہے۔ دادی اماں پلنگ پر لیٹی کراہ رہی ہیں۔ منہاج آتا ہے۔)

منہاج : السلام علیکم

اماں : وعلیکم السلام

دادی اماں : (کراہ کر اٹھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ منہاج آگے بڑھ کر سہارا دیتا ہے۔) وعلیکم السلام میرے لال، جیتے رہو۔ کیسے آگئے آج ابھی سے ۔؟

منہاج : بس یوں ہی ۔ ذرا تھک گیا تھا۔ چھٹی لے کر آگیا۔ آپ کیوں اُٹھ بیٹھیں ــــ ؟ لیٹ جائیے۔

دادی اماں : نا میاں ـــ ظہر کا وقت قضا ہو رہا ہے۔ وضو کروں گی۔

منہاج : آپ تیمّم کر کے نماز پڑھ لیجیے دادی اماں۔ اب سردی میں بار بار وضو مت کیا کیجیے۔

دادی اماں : اب ایسی بھی بیمار نہیں ہوں کہ تیمّم کروں ـــ یہ کون ـــ ؟ نکّی سو رہی ہے ؟ اُٹھاؤ اسے۔ ظہر کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اور دُلہن، اپنی اُن صاحبزادی کو بھی ٹوک دیا کرو۔ ہر وقت کتاب لیے باہر بیٹھی رہتی ہیں۔ نماز روزے سے کچھ سروکار نہیں انھیں۔ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ سات برس کی عمر سے جو ہم نے نماز شروع کی تو آج تک جان بوجھ کے ایک بھی ناغہ نہیں کی۔

نصرت : اسی لیے تو میں نماز نہیں پڑھتی کہ کہیں آپ کی طرح نہ ہو جاؤں !

اماں : شاہانہ ـــ !

منہاج : چھوٹی آپا ـــ !

دادی اماں: بکنے دو اسے تو بکواس کی عادت ہے۔

(نصرت منہاج کے لہجے پر چونکتی ہو کر اسے دیکھتی ہے۔)

منہاج: (نکی سے) دادی اماں کے وضو کے لیے گرم پانی دو۔ موری میں پٹڑا رکھ دو۔

(نکی دادی اماں کو موری میں لے جا کر پردہ برابر کر دیتی ہے۔)

منہاج: سدا! اب گھر جا بیٹے۔ کل آنا پڑھنے۔

سدا: کیوں؟

منہاج: (ذرا اونچی آواز میں) سدا — گھر جا!

(سدا ڈر کے اپنا بستہ سمیٹ کر چلا جاتا ہے۔)

اماں: کیا بات ہے بیٹے؟

منہاج: (جیب سے لفافہ نکالتا ہے۔) ٹاٹا ہاسپٹل سے دادی اماں کی رپورٹ آگئی۔

اماں: کیا ہے رپورٹ میں!؟

منہاج: POSITIVE

اماں: یعنی —؟

منہاج: کینسر۔

(اماں دل پکڑ کے پلنگ پر بیٹھ جاتی ہیں۔ نصرت کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ کر گر جاتی ہے۔ نکی حیران ہے۔)

فیڈ آؤٹ

راوی : یہ بمبئی کے نچلے متوسط طبقے کا ایک خاندان ہے۔ ایسے کروڑوں خاندان ہمارے ملک کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہر فرد لرزتا ہوا اٹھتا ہے ـــــ اس یقین کے ساتھ کہ زندگی آج پھر ان کے لیے کوئی تازہ ستم ایجاد کرے گی۔ اس خاندان کے افراد ایک ایک کر کے دن کاٹ رہے ہیں۔ دن گزر جائے تو اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ سانس لیتے ہیں، اسی سے پتہ چلتا ہے کہ زندہ ہیں۔ ـــــ زندہ ہیں، مگر ان پر لاشوں کا گمان ہوتا ہے۔ ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ لاشوں کی طرح ان کا بھی ایک ماضی ہے ـــــ صرف ماضی ـــــ زندگی کے ہر موڑ پر پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھ لیتے ہیں۔ آگے دیکھنے کی ہمت نہیں۔

(اس وقت اسپاٹ لائٹ نفرت پر ہے۔ وہ گھٹنوں سے سر اٹھا کر پہلے اوپر کی طرف دیکھتی ہے، پھر سامنے۔ اس کے پورے چہرے پر روشنی ہے۔ چہرے پر بے انتہا کرب کے آثار، آنکھیں درد میں ڈوبی ہوئیں۔)

دیکھیں بھی تو کیا نظر آئے گا! ـــــ آگے اندھیرا ہے ـــــ گھور اندھیرا ـــــ!

(نفرت بہت آہستہ آہستہ، تھکے ہوئے انداز میں، لیٹ کر چادر سر سے پیر تک اوڑھ لیتی ہے۔ الارم بجتا ہے۔ اسپاٹ لائٹ اب دادی اماں کے پلنگ کے نیچے سوئی ہوئی نکی پر ـــ نکی کروٹ بدل کر الارم بند کرتی ہے، رینگتی ہوئی پلنگ کے نیچے سے نکلتی ہے، بجتی ہوئی اٹھتی ہے کہ اماں اور عشرت پر پیر نہ پڑ جائے۔ کھڑی ہو کر انگڑائی لیتی ہے۔ اسپاٹ لائٹ آف ـــــ کمرے میں ہلکی سی روشنی ہو جاتی ہے۔ دادی اماں کروٹ بدلتی ہیں۔)

دادی اماں: اذان ہو گئی کیا؟

نکی : جی نہیں دادی اماں۔ آپ سو جائیے۔ اذان ہو گی تو میں آپ کو اٹھا دوں گی۔

(دادی اماں کروٹ بدل کر سو جاتی ہیں۔ نکی نفرت کو پھلانگ کر موری میں جاتی ہے۔ عشرت اٹھ بیٹھتی ہے۔ دوپٹہ سر پر پٹی کی طرح باندھ رکھا ہے۔)

چوتھا منظر

(امّاں نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی ہیں۔ نصرت چولھے کے پاس ہے۔ واجد دادی امّاں کو سنبھالے ہوئے آتا ہے۔ انھیں دیکھ کر نصرت دوڑ کر دادی امّاں کے بستر کی سلوٹیں درست کرتی ہے، ان کے بستر پر بیٹھتے ہی پیروں سے چپل اُتار کر پاؤں اوپر کرنے میں مدد کرتی ہے۔ دادی امّاں لیٹ جاتی ہیں۔ امّاں اُٹھ کر سلام کرتی ہے۔)

دادی امّاں : وعلیکم السّلام۔

امّاں : کیسی طبیعت ہے امّی صاحب؟

دادی امّاں : درد بہت ہے داڑھ میں۔ کل رات بھر نیند نہیں آئی۔ آج سارا بدن بھی دُکھ رہا ہے۔

(امّاں واجد کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ نصرت بھی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی ہے۔)

واجد : ممانی جان، ہاٹ واٹر بیگ ہو تو گرم پانی لے آئیے۔

امّاں : ہمارے یہاں تو نہیں ہے۔

نصرت : میں ابھی لائی، مانک بھائی کے گھر سے۔

(تیزی سے باہر نکلتی ہے۔ پلٹتی ہے۔ کھونٹی پر سے برقعہ اُتار کر اوڑھتی ہے۔)

امّاں : میں پانی گرم کرتی ہوں۔

واجد : (دادی امّاں سے) لیجیے لحاف اوڑھ لیجیے۔ گرم پانی کی تھیلی سے گرمائی جلدی

آجائے گی۔ ان شاء نیند آجائے گی تو آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

دادی اماں : اے وجّو ـــ مجھے کیا بیماری ہے ؟ کیا کہا ڈاکٹر نے ؟ کچھ خطرے کی بات ہے ؟ کیا میں اس بیماری سے بچوں گی نہیں ؟

واجد : نہیں نانی اماں ـــ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں آپ۔

دادی اماں : یہ نصرت کو کیا ہوگیا۔ اتنے دن سے خاموشی سے میری خدمت کر رہی ہے۔ نہ تو بدتمیزی کر رہی ہے نہ گستاخی۔ اب دیکھو۔ بغیر کہے برقعہ اوڑھ کر گئی ہے۔

واجد : (مسکرا کر) کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ اب وہ تمیزدار اور تابعدار بن گئی ہے تو اب اس کی شکایت .... !

دادی اماں : نا میاں، نا ـ شکایت نہیں ـ مجھے پریشانی ہے۔ یہ نصرت مجھی کو اپنی اور اپنی بہنوں کی بُری حالت کی ذمّے دار سمجھے ہے ـ یہ زندگی میں تو مجھے معاف نہیں کرے گی ـ ہاں جیسے مَرے پیچھے اپنے باپ کو معاف کر دیا ایسے ہی شاید مجھے بھی معاف کر دے ـ اے بیٹے ـ بتا دے میرے چندا ـ کیا کہا ڈاکٹروں نے ! کیا کوئی بُری بیماری ہے مجھے ؟

واجد : خدا نہ کرے ـ بُری بیماری ہو آپ کے دشمنوں کو ـ بس ذرا سردی لگ گئی ہے اور کچھ عمر کا تقاضا ہے۔

(نصرت ہاٹ واٹر بیگ لیے آتی ہے۔)

واجد : گرم پانی بھر لاؤ اس میں۔

نصرت : مانک بھائی کے گھر سے ہی بھر لائی۔

واجد : (دادی اماں سے) چلیے، اب آپ سونے کی کوشش کیجیے۔ میں آپ کے پاؤں دباتا ہوں۔

(نصرت بیٹھ اور ہاتھ دبانے لگتی ہے ـ تھوڑی دیر خاموشی۔ دادی اماں سوگئی ہیں۔)

اماں : امی صاحب واپس کیسے آگئیں ؟ تم تو انھیں وہیں رکھنے والے تھے !

واجد : کیا بتاؤں ممانی جان، دو دن کس مصیبت سے کاٹے ہیں ـ بس ایک ہی رٹ

تھی : میں اپنے گھر جاؤں گی ۔ اپنے بچّوں میں رہوں گی ۔ ہمارے گھر کے نوکروں کے ہاتھ کا کوئی کام پسند نہیں آ رہا تھا ۔ چائے میں نقص ۔ کھانا خراب ۔ کبھی کہتیں : اے ہے ۔ یہ چائے ہے یا پتیلی کا دھوون ۔ میری عشرت بناوے ہے چائے تو ۔ سنجھلی آپا ، نکی ، منّن صاحب سب کی خوبیاں گنواتی رہتی تھیں ۔ اور نصرت ۔ ! تم مانو یا نہ مانو ۔ شام کو روز جب سردی بڑھنے لگتی تھی تو دادی اماں تمھارے لیے پریشان ہوتی تھیں کہ گرم کپڑا نہیں پہنا ہوگا ، ہوا میں باہر چبوترے پر بیٹھی ہوگی ۔ سردی لگ جائے گی ، بے حد ضدّی ہے ۔ کسی کی نا سُنے ہے ۔

(نصرت کرسی پر آگے کو جُھکی گھٹنوں پر دونوں کہنیاں رکھے ہتھیلیوں میں تھوڑی ٹکائے چپ چاپ آنسو بہا رہی ہے ۔ واجد اس کے پاس آکر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتا ہے ۔)

واجد : ہائے اس زودِ پشیماں کا .....

نصرت : نہیں ، واجد بھائی ۔ نہیں ـــــ اصل جفا تو میں نے خود پر کی ـــ اب زندگی بھر یہ احساسِ جرم .....

(رُک کر بیحد دہشت زدہ سی ہو کر گردن اوپر اٹھا کر واجد کو دیکھتی ہے ۔) ہا ـــ میں نے منّن صاحب کو احساسِ جرم میں مبتلا رکھا تھا ۔ اب میں خود ....

(واجد کچھ نہیں بولتا ـــ اثبات میں سر ہلاتا ہے ۔ اماں دادی اماں کی پائینتی پلنگ پر سر جُھکائے بیٹھی ہیں ۔ ایک ہاتھ سر کو سہارا دیے ہوئے ہے ۔ دوسرے ہاتھ سے یوں ہی بے مقصد دادی اماں کے بستر کی سلوٹیں درست کر رہی ہیں ۔ نصرت اپنی کرسی سے اُٹھ کر زمین پر آ بیٹھی ہے ۔ اپنا سر اماں کی گود میں رکھ کر ہلکے ہلکے سسکیاں بھرتی ہے ۔)

نصرت : اماں ـــ اماں ـــ میں کیا کروں ـ میں نے ایسا کیوں کیا ـــ ! اب کیا کروں ! ؟

(واجد تھوڑی دیر کھڑا چپ چاپ دیکھتا ہے پھر اسے اٹھا کر کھڑا کرتا ہے۔ نفرت دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہے۔)

واجد : ممانی جان ـــ شہر کے حالات مخدوش ہوتے جا رہے ہیں ۔ بہتر ہوگا کہ آپ سب لوگ یہاں سے چلیں ۔ اگر خدانخواستہ فساد بڑھا تو عین وقت پر آپ بیمار نانی اماں اور چھوٹے چھوٹے بچوں اور ان لڑکیوں کو لے کر کہاں جائیں گی ـــ؟

اماں : بیٹے، کہاں جاؤں ـــ!

واجد : مجھے بیٹا بھی کہہ رہی ہیں اور پوچھتی بھی ہیں کہ کہاں جاؤں ـــ! میرا گھر آپ کا گھر نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں بٹن باجی کی حرکتوں کی وجہ سے آپ ان سے خوش نہیں ہیں ۔ لیکن میں نے کیا کیا ہے میرے گھر چلنے سے کیوں انکار ہے آپ کو!؟

اماں : انکار نہیں ہے بیٹے ـــ یہ گھر جیسا بھی ہے ۔ اس میں جو کچھ بھی ہے ۔ ایک ایک چیز بڑی محنت سے جوڑی ہے میں نے اور میری بچیوں نے ۔ دن رات خون پسینہ ایک کیا ہے ۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کیسے نکل جاؤں ـــ!

واجد : سب امن وامان ہو جائے تو پھر آجائیے گا ۔ اس پوری چال میں آپ کا اکیلا مسلمان خاندان ہے ۔ ایسے وقت میں آپ کا اکیلا یہاں رہنا مصلحت نہیں ہے ۔

اماں : پانچ سال پہلے تمھارے ماموں جان کی وفات کے بعد جب سرکاری کوارٹر چھوڑنا پڑا اب سے ہم یہیں رہ رہے ہیں ۔ سب ہمیں پہچانتے ہیں ۔ سب کا ہمارے گھر آنا جانا ہے ۔ ان کے بچے ہماری گودیوں میں کھیل کر بڑے ہوئے ہیں ـــــ سب پیار محبت سے رہتے ہیں ـــــــــ

سدا کو تو تم نے دیکھا ہے، ایک منٹ کو بھی نفرت کو نہیں چھوڑتا۔

واجد : لیکن جب رگوں میں خون کی جگہ نفرت اور تعصب کا زہر دوڑنے لگے تو یہ باتیں یاد نہیں رہتیں ۔ میری مانیے ممانی جان ۔ چلیے ۔ جب تک آپ سب نہیں چلیں گی نانی اماں کسی طرح میرے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوں گی ۔

اماں : اچھا بیٹے ـــ منّن صاحب کو آنے دو ۔ ان سے مشورہ کر کے تمھیں فون کرا دوں گی ۔

واجد : (نصرت کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ پھر ارادہ بدل کر....) اچھا ممانی جان، خدا حافظ ـــ میں گھر پر ہی رہوں گا، آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔
(جاتا ہے۔)

اندھیرا

پانچواں منظر

(کمرے میں بہت ہلکی روشنی۔ بیک گراؤنڈ سے شور و غل، مارو! ـــ مارو! ایک کو بھی زندہ مت چھوڑو، آگ لگا دو کی آوازیں ـــ رونے چیخنے کی آوازیں ـــ روشنی دھیرے دھیرے تیز ہوتی ہے ـــ دادی اماں چادر اوڑھے ناظرین کی طرف پشت کیے پلنگ پر لیٹی دھیرے دھیرے کراہ رہی ہیں ـــ فرش پر چٹائی بچھائے اماں، عشرت، سطوت اور اس کی گود میں چھوٹی بچی، نکی، اس کے پاس سطوت کی دونوں لڑکیاں دائیں بائیں بیٹھی ہیں۔ نصرت دروازے کے پاس بیٹھی ہے ـــ دادی اماں زور سے کراہتی ہیں۔ نصرت گھبرا کے اٹھ کر ان کی پائینتی بیٹھ جاتی ہے اور پاؤں دبانے لگتی ہے۔

دادی اماں : کون ہے ــ کون ہے ـ ؟
نصرت : کیا بات ہے دادی اماں ؟
دادی اماں : (کروٹ بدل کر) کون ــ ؟ نصرت ـ ؟ (تھوڑی دیر حسرت سے اسے دیکھتی ہیں۔)
نصرت : کیا چاہیے دادی اماں ؟
دادی اماں : (سب پر ایک نظر ڈال کر) بیٹی کچھ نہیں چاہیے ــ میاں منّن کہاں ہیں ؟
(کوئی جواب نہیں دیتا ـ)
دادی اماں : (اُٹھنے کی کوشش کرتی ہیں ـ) ارے کوئی بولتا کیوں نہیں ؟ منّن میاں کہاں ہیں !
نصرت : دادی اماں آپ لیٹی رہیں ـ آتے ہی ہوں گے منّن صاحب ــ
دادی اماں : اسے جانے ہی کیوں دیا آج ـ چاروں طرف آگ لگی ہے ـ ہندو ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں ـ
(پھر شور سنائی دیتا ہے ـ دادی اماں اور سب پریشان ـ اماں اُٹھ کر دروازے سے باہر جھانکتی ہیں ـ سدا دوڑا ہوا آتا ہے ـ)
سدا : چھوٹی آپا ــ چھوٹی آپا ــ !
دادی اماں : ارے اس سنپولیے کو گھر میں کیوں آنے دیا ــ !
نصرت : کیا ہے سدا ؟
سدا : (ہانپنے کی وجہ سے اٹک اٹک کر بات کرتا ہے ـ) جلدی جاؤ ــ تم لوگ سب جلدی اِدر سے جانے کا ـ نیئں تو سب کو جلا دے گا ـ تمھارا کھولی جلا دے گا آج ـ
نصرت : کون جلا دے گا ــ ؟ کس نے کہا تجھ سے ؟
سدا : میں سُنا ـ اُدر سب لوگ بات کرتا تھا ـ میرا ماما بھی تھا ـ ماما بھوت گُسّے میں تھا ـ چھوٹی آپا تم جلدی چلے جاؤ ــ ابھی چلے جاؤ ـ
(کوئی جواب نہیں دیتا ـ شور پھر سنائی دیتا ہے ـ گودا ودی آتی ہے ، بیحد پریشان ـ)

گوداوری : (اماں سے) بھابھی، میں تم لوگ کو سبیرے بھی بولی تھی کہ چلے جاؤ اِدر سے۔ نیئں تو کچھ بھی ہو جائیں گا۔ ابھی ہم اور سب لوگ.... (سدا پر نظر پڑتی ہے۔) تو اِدر کائے کو آیا رے ـــ جا گھر کو'۔

سدا : میں نیئں جائے گا۔

گوداوری : تیرا ماما تیرے کو ڈھونڈ تا ڈھونڈتا اِدر آگیا تو تیرے کو میرے کو دونوں کو مار ڈالیں گا۔

اماں : تیرے آدمی کا ہم نے کیا بگاڑا ہے گوداوری؟

گوداوری : سب وِڈا ہو گیا ہے ـــ پاگل ـــ ایک دم پاگل ـــ سب دارو پیے لا ہے۔ آج کچھ تو بھی ہوں گا جر ور ــ کر کے بولتی ہے تم کہیں تو بھی چلے جاؤ ــ تمھارے گھر کو آگی جرور لگائیں گا۔ میں میرے گھر کو جاتی ہے۔ میرے آدمی کو معلوم ہوا کہ میں تم کو بولی تو پہلے میرے کو مار ڈالیں گا۔

اماں : ذرا ٹھہر، گوداوری۔

گوداوری : جلدی بول بھابھی ـ میرے کو جلدی جانے کا ہے۔

اماں : بس، ابھی ـــ یہ لے اپنے پیسے لیتی جا۔ کیا پتا کیا ہو!

گوداوری : رہنے دے بھابھی۔ تو جدھر بھی جاتی ہے پیسہ لے کے جا، تیرے کام آئیں گا۔

اماں : نہیں بھئی، نہیں۔

گوداوری : میں گھر کو لے گئی تو میرا آدمی دارو پی لیں گا سارے پیسے کا۔ جندہ رہی تو دے دینا۔

اماں : ارے مگر سُن تو ـــ (گوداوری سدا کو کھینچتی ہوئی باہر لے جاتی ہے۔ سدا چلّا رہا ہے: میں نیئں جائے گا۔)

دادی اماں : ارے کیا ہو رہا ہے یہ؟

(کوئی جواب نہیں دیتا۔)

یا اللہ! میرے منّن کو اپنے حفظ و امان میں رکھیو۔ اری دلھن ـــ!

اے لڑکیو — اُٹھو، نمازِ حاجت پڑھو۔ بچّے کی سلامتی کی دُعا مانگو۔
(سب ویسے ہی بیٹھے ہیں۔)

نصرت : (قریب آکر) دادی امّاں آپ لیٹ جائیے۔ (بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگتی ہے۔)

(واجد آتا ہے۔ سب اُٹھ کر اسے گھیر لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں : کیا ہوا — کیا حال ہے۔)

واجد : ممانی، بس — اِسی طرح اٹھ جائیے آپ لوگ — چلیے میں بڑی مشکل سے آیا ہوں آپ سب لوگوں کو لے جانے — (دادی امّاں کے پاس جاکر) نانی امّاں، اٹھیے۔

دادی امّاں : وجّو، کیا بات ہے بیٹے — میرے منّن کو لائے۔ ؟

واجد : منّن آجائے گا۔ آپ لوگ فوراً چلیے یہاں سے۔

دادی امّاں : میں اپنا گھر چھوڑ کر نہ جانے کی۔

واجد : ضد نہ کیجیے نانی امّاں، بالکل وقت نہیں ہے۔

دادی امّاں : ارے کاہے کا وقت نہیں بیٹے — منّن کے آنے کا وقت تو ہو گیا۔

واجد : نصرت، اٹھو۔ جلدی سب چلو — باہر میری کار کھڑی ہے۔ میرا ایک دوست بھی اپنی کار لے کر آیا ہے۔ جلدی سے جاکر بیٹھو۔ .....
(امّاں برقعہ اوڑھنے لگتی ہیں۔)
جلدی کیجیے ممانی — برقعہ ورقعہ رہنے دیجیے۔)
(امّاں آگے بڑھ کر دادی امّاں کو سہارا دیتی ہیں۔ واجد سطوت کی ایک لڑکی کو گود میں اُٹھا لیتا ہے۔ نصرت اس کی آستین پکڑ کر روکتی ہے۔ سب باہر نکل چکے ہیں۔ واجد بچّی کو کندھے سے لگائے، اور نصرت، کمرے میں رہ جاتے ہیں۔)

نصرت : مجھے تو بتا دیجیے .... منّن صاحب .... (آواز بھرّا جاتی ہے۔)

واجد : دعا کرو ۔ بُری طرح زخمی ہوا ہے ۔ ہاسپٹل میں ہے ۔ بیہوش ـــــ میرا ایک دوست ڈاکٹر ہے اسی کے سپرد کر کے آیا ہوں ۔ دوپہر سے اب تک اسی کو ڈھونڈ رہا تھا ۔ چار ہاسپٹل دیکھے ۔ ہر ہاسپٹل میں لاشوں اور زخمیوں کے چہرے دیکھتے دیکھتے .....

(نصرت رونے لگتی ہے ۔)

جلدی کرو ـــ دیر ہوئی تو ہمیں لوگ روئیں گے ۔

(باہر کی طرف جاتے ہیں ۔ سدا دوڑتا ہوا آتا ہے اور نصرت سے لپٹ جاتا ہے ۔)

سدا : چھوٹی آپا ـــ تو کب آئے گی پھر ؟ (نصرت جُھک کر اس کی پیشانی چومتی ہے ۔)

واجد : (جھٹکے سے نصرت کو اپنی طرف کھینچ کر ۔) جلدی چلو ۔ (شور و غل کی آواز نزدیک آ رہی ہے ۔) سدا ، جا بیٹا ـــ اپنے گھر جا ۔

(نصرت کو کھینچتا ہوا بھاگتا ہے ۔ سدا ایک دو لمحے کھڑا رہتا ہے ۔ پھر ان کے پیچھے بھاگتا ہے ـــ شور و غوغا ـــــ بیک گراؤنڈ میں رونے چیخنے کی آوازیں ۔)

اندھیرا

چھٹا منظر

(گھر بالکل خالی ہے۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے برتن زمین پر پڑے ہیں۔ بچی کے کھیلنے کا ربر کا خرگوش سامنے ہی پڑا ہے۔ دادی اماں کا پلنگ اسی جگہ ہے۔ اس پر بستر نہیں ہے۔ ایک تختہ لوٹا ہوا ہے ـــــ نصرت اور واجد آکر دروازے کے سامنے چبوترے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ واجد ہاتھ سے اندر چلنے کا اشارہ کرتا ہے۔ نصرت اندر نہیں جاتی۔ اِدھر اُدھر دیکھ رہی ہے۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی گوداوری کے کمرے کے سامنے آکر رکتی ہے۔ بہت ہلکی آواز میں پکارتی ہے۔)

نصرت : گوداوری بائی!

(گوداوری گھر سے باہر نکلتی ہے۔ نصرت کو چند لمحے حیرانی سے دیکھتی ہے۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی اس کے کمرے میں لے آتی ہے۔ واجد بھی اندر آجاتا ہے۔)

گوداوری : کائے کو آئے تم لوگ اِدَر ـــ ابھی کِتا دھوکا ہے ـــ کوئی نے دیکھ لیا تو بھوت بُرا ہو جائیں گا۔

نصرت : سدا.....

گوداوری : (نصرت سے لپٹ کر) اے بخرت، تیرا سدا تو گیا ـــــ

امّاں : کیا آج پھر سر میں درد ہے منجھو ؟

عشرت : جی، امّاں۔

امّاں : لیٹ جا بیٹی ــــ نکّی خود چائے بنا لے گی۔

عشرت : نہیں امّاں ــ بغیر کھائے پیے چلی جائے گی۔ سارے دن بھوکی پیاسی رہے گی۔

امّاں : (اسے پکڑ کر لٹاتی ہیں) اچھا تو میں بنا دیتی ہوں چائے ۔ روٹی تو رات کی رکھّی ہے نا ؟

عشرت : جی نہیں ۔ رات کی روٹی تو نجّو نے دھونڈی باکو دے دی تھی ۔

(امّاں خاموش بیٹھی ہیں۔ عشرت اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ امّاں اٹھ کر چولھے کے پاس چلی جاتی ہیں۔ عشرت جُھک کر دادی امّاں کے پلنگ کے نیچے بچھے ہوئے گدّے کو تہہ کر کے اُسی پلنگ کے نیچے ایک طرف رکھ دیتی ہے، اور گدّے کے نیچے بچھی ہوئی چٹائی لپیٹ کر کرسیوں کے پاس کھڑی کر دیتی ہے۔ اس عرصے میں نکّی تیار ہو کر موری سے باہر آجاتی ہے۔ اسٹیج پر روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ نکّی الماری کے اوپر سے اپنی کتابیں اُٹھاتی ہے۔ الماری کھولنا چاہتی ہے مگر نصرت اس کے سامنے لیٹی ہے۔ نصرت کو پکارتی ہے۔)

نکی : چھوٹی آپا ــــ پلیز ــــ ذرا ادھر ہٹ جائیے۔ مجھے الماری میں سے اپنی پریکٹیکل بک نکالنی ہے۔

(نصرت جواب نہیں دیتی۔)

نکی : چھوٹی آپا، پلیز ذرا سرک جائیے ــــ مجھے دیر ہو جائے گی۔

(نصرت بدستور سو رہی ہے۔)

نکی : (روہانسی ہو کر پکارتی ہے۔) امّاں! چھوٹی آپا نہیں اٹھ رہی ہیں۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔

امّاں : شاباش ــــ سرک جاؤ بیٹی۔ نکّی کو کالج جانا ہے۔

نصرت : (مُنہ سے چادر ہٹا کر) کیا کرے گی کالج جا کر ؟

نکی : میرا ٹوٹنی کا پریکٹیکل ہے سوا سات بجے سے۔

نصرت : کیا کرے گی پریکٹیکل کر کے ؟

نکی : چھوٹی آپا، پلیز سرک جائیے۔ آپ کے سارے سوالوں کے جوابات شام کو آکر دے دوں گی۔

(دونوں اسی طرح تھوڑی دیر ایک دوسری سے لپٹی روتی ہیں۔
پھر گوداوری الگ ہو کر آنسو پونچھتی ہے اور واجد سے
مخاطب ہوتی ہے۔)

گوداوری: تم تو بڑا صاب ہے نا! تم کو تو اتّا اکل ہونا مانگتا ہے۔ چھوکری کو لے کے اِدَر کائے کو آئے لا ہے۔ جلدی چلا جاؤ۔

واجد: سدا کی خبر سُن کر یہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔ میں نہ لاتا تو اکیلی چلی آتی۔

گوداوری: (پھر رونے لگتی ہے) اے بجرت، ادھر تچ گرا تھا سدا۔ تیرے اوٹے پر۔ تیرے گھر کا سامان جلانے کے واسطے سب گُنڈا لوگ نکالتا تھا۔ سدا سب کے ہاتھ سے ایک ایک وستو چھینتا تھا۔ روتا تھا۔ لوگ اس کو لافا مارتا تھا۔ پھر — پھر بجرت تو جو پُستک پڑھتی تھی .... وہ پُستک کی بیٹی آگی میں پھینکا۔ سدا — سدا — وہ گُنڈا کو لات مارا۔ وہ گُنڈا لوک میں سے کوئی تو بھی اس کے سر پر سلیا مارا۔ میرا سدا اِدھر تچ گر گیا ——
ارے راما کائے کروُ می۔ تیا چیا آئی لا کشی توڈا دا کھو!۔

نصرت: اور دھونڈی با — ؟ अरे रामा काय करु मी ? त्याच्या आइला कशी तोंड दाखवू

گوداوری: کس کو مالوم کدر گیا وہ ایڑا۔ مار کے ڈال دیا ہوں گا کوئی بھی گٹر میں۔
(ایک دم چونک کر آنسو پونچھتی ہے۔) جاؤ تم لوگ جلدی۔ میرا آدمی آج گھر کو اِچ ہے۔ دارُو پی کے پڑیلا ہے۔ اس نے سُن لیا تو کچھ بھی کریں گا۔

واجد: ہاں، بس جاتے ہیں — گوداوری بائی ہم کو بہت دُکھ ہوا۔ نانی امّاں۔ ممانی جان ....

(گوداوری ایک نظر اس پر ڈالتی ہے، جواب نہیں دیتی — آنسو پونچھتی ہوئی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی جاتی ہے۔
نصرت اور واجد اُجڑے ہوئے کمرے میں کھڑے ہیں۔)

نصرت: (واجد کی طرف مڑ کر) کیوں — ؟ کیوں مارا گیا سدا — ؟ کیوں جلایا گیا ہمارا سامان — ؟ کیوں منّن صاحب کو چھُرے بھونک کر ادھ موا کر دیا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

گیا ــ ؟ کیوں ــ ؟ کیوں ــ ؟ (روتی ہے ۔ واجد کی باہیں پکڑ کر اسے جھٹکے دیتی ہے ۔) کیوں سوچتی ہوں میں یہ سب باتیں ۔ اے میری نانی کے چھوٹے بھائی، آپ نے اپنی اس دکھوں کو میرے لیے وراثت میں کیوں چھوڑ دیا ــ ؟ (سسکیاں) ــ کاش میں بھی اپنی اماں اور دوسری بہنوں کی طرح اپنی قسمت اور حالات پر صابر و شاکر رہتی ۔ زندگی کتنی آسان ہو جاتی ۔ میرے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی ۔

واجد : آسان تو ہو جاتی زندگی ــ مگر بے معنی ہو کر رہ جاتی ۔

نصرت : کیا معنی ہیں زندگی کے ــ ؟ سدا کی زندگی بارہ تیرہ برس کی ہنستی کھیلتی زندگی ..... لوہے کی سلاخ کا ایک وار ..... اور سب کچھ ختم ــ ! منّن صاحب کی زندگی ــ موت سے لڑ تو رہی ہے ــ مگر کیا ہو گا انجام ــ کون جانے ۔ دادی اماں کی زندگی بہتر برس ... اچھے دنوں کی آرزو ــ جو کبھی پوری نہ ہوئی ــ کیا ملا ــ ؟ کینسر ــ ! اس عارضی قبرستان سے اٹھ کر مستقل قبر میں جا کر سو جائیں گی ۔ جب قبر ہی زندگی کا منتہیٰ ہے تو کچھ کرنا ــ کچھ سوچنا ــ سب لاحاصل ہے ۔ چلیے، ــ چلیں ــ بیٹھ کر انتظار کریں ۔ اگلے فساد میں شاید کسی گولی پر ہمارا نام بھی لکھا ہو گا ۔ وہ آ کر ہمارا قصّہ ختم کر دے گی ۔

واجد : ہمارا قصّہ تو ابھی شروع بھی نہیں ہوا، نجمہ ــ ختم کیسے ہو گا ــ اور تم تو ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں، کینسر کا علاج دریافت کرنا چاہتی تھیں !

نصرت : اب تو میں کچھ بھی نہیں چاہتی ۔ بس آنکھیں بند کر کے حالات کے دھارے پر خود کو چھوڑ دینا چاہتی ہوں ۔

واجد : تم آنکھیں بند کر کے حالات کے دھارے پر خود کو نہیں چھوڑ سکتیں شاہانہ خانم ! تم عشرت اور سطوت نہیں ہو جو چپ چاپ مر جاؤ ۔ ! تمھاری نانی کے بھائی کا خون تم سے پوچھ رہا ہے : کیوں ہوا یہ سب ــ ؟ کیوں ــ ؟ اس کا جواب نہیں دو گی ــ ؟

نفرت : میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

واجد : تو اس کا جواب تلاش کرو — ! اس کینسر کا علاج دریافت کرو جو ہماری قوم کی روح کو کھائے جا رہا ہے۔

نفرت : قوم تو بہت بڑی اکائی ہے وجو بھائی — میں تو اس کینسر کا بھی علاج دریافت نہیں کر سکی جو میری روح کو کھائے جا رہا ہے۔ !

واجد : تم اکیلی اس کینسر کی مریض نہیں ہو، نجو — ! ہمارا سارا ملک ایک کینسر وارڈ بن گیا ہے — کہیں مذہبی، علاقائی ۔ لسانی تعصب کا کینسر ہے ۔ کہیں بے انتہا دولت کا کینسر ہے ۔ کہیں سرنگوں کرنے والی غربت، بھوک اور بے روزگاری کا کینسر ہے ۔ تم نا اُمیدی اور مایوسی اور قنوطیت کے کینسر میں مبتلا ہو۔

نفرت : کینسر کسی بھی قسم کا ہو، جان لے کر ہی جاتا ہے۔

واجد : بالکل غلط — جسمانی کینسر کا علاج دریافت کرنے کے لیے ساری دنیا کے ماہرین لگے ہوئے ہیں ۔ ایک نہ ایک دن اس کا انکشاف ضرور ہوگا ۔ اب رہا تمھارا کینسر — اس کا علاج خود تمھارے پاس ہے۔

نفرت : مجھے تو کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

واجد : تم مایوسی اور نا اُمیدی کے اس جنگل سے باہر تو نکلو نفرت ۔ سدا مشعل لیے تمھیں راستہ دکھا رہا ہے، اور خود تمھارا بھائی، منّن —

نفرت : منّن صاحب — (رونے لگتی ہے۔)

واجد : ہاں، منّن صاحب ۔ جس موٹر ٹریننگ اسکول میں وہ کام کرتے ہیں اس پر بلوائیوں نے حملہ کیا تو سجاتا اور سمیتا نامی دو لڑکیوں کو پیچھے کے دروازے سے بحفاظت نکال کر ان کے گھر تک پہنچانے گئے ۔ وہاں کسی نے پہچان لیا کہ ......
بس، چھرا بھونک دیا ۔ سجاتا چیختی چلاتی رہ گئی کہ اس نے ہمیں بچایا ہے ۔ یہ تو ہمیں پہنچانے آیا تھا ۔ اسے مت مارو ۔ مگر ..... (ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو جاتا ہے ۔ نفرت بے جان سی ہو کر نیچے بیٹھ جاتی ہے ۔ ہاتھوں میں مُنہ چھپائے رو رہی ہے ۔ واجد جھک کر اسے اٹھاتا ہے ۔ تھوڑی دیر اسے تھامے

رہتا ہے ۔ پھر نفرت خود کو الگ کرتی ہے ۔)

نفرت : آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا اب تک ۔ ؟

واجد : مجھے خود آج ہی پتا چلا ۔ آج منّن صاحب کو دیکھنے ہاسپٹل میں سجاتا کا بھائی آیا تھا، اُسی نے بتایا ۔

(نفرت گم سم سی، دادی امّاں کے ٹوٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے ۔ واجد اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے ۔)

واجد : (بہت رسان سے) نجو ۔ ! اُٹھو ۔ چلو ۔

نفرت : کہاں ۔ ؟

واجد : باہر ۔

نفرت : کیوں ۔ ؟

واجد : زندگی ہمارا انتظار کر رہی ہے ۔

نفرت : آپ کا ۔ میرا نہیں ۔ !

واجد : مگر میں اکیلا جا کے کیا کروں گا ۔ میری طاقت تو تم ہو ۔

نفرت : (بیحد حیرانی سے) میں ۔ ! ؟

واجد : ہاں، تم ۔ ! تم ہو میری طاقت ۔ تم ہو میری محبّت ۔ تم ہو میری زندگی !

نفرت : (بے حد دکھ سے) مگر میں تو ۔ میں نے تو ۔ !

واجد : تم جان کر بھی انجان بنی رہیں ۔ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہا ۔ ہے نا نفرت یہی بات ۔ ؟

نفرت : میں نے تو زندگی بھر نفرتیں پائی ہیں اور نفرتیں پالی ہیں ۔ محبّت کی گنجائش میرے دل میں کہاں ؟

واجد : جسے تم نفرت کا نام دے کر اپنے آپ کو دھوکا دیتی رہی ہو وہ محبّت ہے ۔ جو بار بار تمھارے سامنے آتی رہی ہے اور تم نے اس سے مُنہ پھیر لیا ہے ۔

(اس کا ہاتھ چھوڑ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے ۔)

کہو نجو ۔ ہاں کہو ۔ ہے نا تمھیں بھی مجھ سے محبت ۔ ؟

(نفرت چند لمحے واجد کا چہرہ غور سے دیکھتی ہے۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیتی ہے۔)

واجد : اُٹھو نجو ـــ باہر چلیں۔ ہمیں جو خوشی ملی ہے ساری دنیا کو بانٹیں۔ نفرتوں کے کینسر کا علاج محبّت ہے ـــ آؤ، ساری دنیا کو بتا دیں۔

(دونوں ایک دوسرے کی باہنوں میں باہنیں ڈالے کھڑے ہیں۔ اردگرد کی روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔ اسپاٹ لائٹ دونوں پر۔ پھر دھیرے دھیرے وہ روشنی بھی کم ہو رہی ہے۔ ہلکی ہلکی روشنی میں دونوں کھڑے ہیں۔)

پردہ گرتا ہے